یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شانِ صحابہ زندہ باد | مقامِ امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا
محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حسین احمد مدنی
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرۃ مولانا حبیب الرحمن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرۃ مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

صفحہ نمبر چالیس (40) کا **بقیہ**

(۲)......وہ فرقوں کے حق و باطل کے لیے معیارِ حق ہیں، اس لیے وہ امت کے حق میں ناقد ہیں نہ کہ منقود، کسوٹی ناقد ہوتی ہے نہ کہ تنقید طلب، ورنہ کسوٹی نہیں رہ سکتی، اس لیے وہ دین کے بارے میں تنقید سے بالاتر ہیں، **بأیھم اقتدیتم اھتدیتم** ۔

(۳)......اس معیاریت اور افضلیت کی پہلی علامت بلا استثناء ان کی محبت و عقیدت ہے، جبکہ امت کا تعلق ان سے محض تاریخی یا روایتی نہیں بلکہ عشقی ہے جو منشاءِ حدیث ہے۔

(۴)......ان کے اختلافات و مشاجرات کو اچھالنا اور ان میں رائے زنی کرنا زیغ باطن کی علامت ہے۔

(۵)......ان کے اختلافات میں حق و باطل کا تقابل نہیں بلکہ خطاء و صواب کا ہے، اور اجتہادی امور میں خطا پر بھی اجر ملتا ہے، اس لیے اس پر معصیت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقہ ایسا نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثناء متقن و عدول کہا جائے۔ [علماءِ دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: ۱۱۹ تا ۱۲۴، ادارہ اسلامیات، لاہور]

(جاری............)

پیامِ صفدر — خادمِ اہلِ سنت عبدالرحیم چاریاری

رسالہ ''الارشاد'' اور ''ذکر کے حلقے'' نامی کتاب میں خیانتیں

قائدِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا دعویٰ اور اس کا ثبوت

حضرت مولانا نثار احمد حسینی صاحب سے ہماری پرانی شناسائی ہے، غیر مقلدیت و مماتیت کے رد اور تعاقب میں وہ پیش پیش رہتے ہیں لیکن صوفی محمد اقبال صاحب کے زیرِ اثر وہ بعض بدعات کی ترویج میں بھی کوشاں ہیں، اور اس کے لیے افسوسناک حد تک جا پہنچے ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے مولانا نثار صاحب سے خلافت سلب فرمائی تھی۔ دیکھیے تحفظ عقائد اہلِ سنت طبع دوم۔

مجلّہ صفدر کے گزشتہ شماروں میں مولانا نثار احمد کی ناانصافیوں کے کئی ثبوت پیش کیے جا چکے ہیں۔ جن میں اُن کے ہاتھ سے لکھی گئی تحریرات کے عکسی حوالہ جات بھی شامل ہیں۔ [دیکھیے صفدر: ۷۳]

نیز مولانا نثار صاحب کے: ''نااِنصاف'' ہونے کی بات صرف ہماری ذاتی رائے اور محض الزام نہیں بلکہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے، جس کا اقرار دیگر حضرات اکابر وعلماء نے بھی کیا ہے۔

مولانا نثار حسینی کی خیانت کی گواہی، حضرت مدنیؒ کے خلیفہ کی زبانی:

چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مرشدی قائد اہلِ سنت وکیلِ صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا نثار الحسینی کے بارے میں لکھتے ہیں:

جریدہ ''الارشاد'' (اٹک) حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں شائع ہوتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔ اب حافظ نثار احمد الحسینی ساکن حضرو ''الارشاد'' کے مدیر ہیں اور مروجہ مجالس ذکر کی نشر واشاعت گویا اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

اُنہوں نے ''الارشاد'' [نومبر و دسمبر ۱۹۹۷ء] میں ایک مفصل مضمون بعنوان: ''مجالس ذکر ایک علمی اور تحقیقی جائزہ'' شائع کیا ہے اور انہوں نے یہ مضمون خدام الدین وغیرہ دوسرے رسائل میں بھی شائع کرایا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلالات پیش کیے ہیں۔ اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔ کاش کہ وہ یہ مضمون نہ لکھتے اور جو دماغ اور وقت اُنہوں نے اِس میں صرف کیا ہے اور بطور ایک مشن وہ محنت کر رہے ہیں اِتنا وقت وہ اپنی اصلاح میں لگاتے تو کچھ کام بن جاتا۔'' [ماہنامہ حق چاریار، جہلمی نمبر، جولائی ۱۹۹۸......تحفظ عقائد اہل سنت: ۷۱۳]

اور یہ تحریر حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اپنی تحریر ہے، جس کا اقرار مولانا نثار احمد حسینی صاحب نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرہ نے احقر کے ایک مضمون ''مجالس ذکر: ایک علمی وتحقیقی جائزہ'' از: ماہنامہ ''الارشاد'' اٹک۔ بابت رجب، شعبان ۱۴۱۸ھ/نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء ٹریکٹ نمبر ۶، ۷ پر گرفت فرماتے ہوئے.....احقر کے متعلق لکھا ہے: اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کیے ہیں اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔''

[مکتوب نثار بنام حافظ عبد الوحید حنفی صاحب، مطبوعہ آفتاب سنت: ۳۱]

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی اِس تحریر سے معلوم ہوا کہ مولانا نثار احمد حسینی صاحب نے ''بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت سے کام لیا۔'' ظاہر بات ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ جیسی شخصیت کا اتنا عظیم خلیفہ اور اہل سنت کا قائد بلا تحقیق تو نہیں لکھ سکتا، ضرور اُنہوں نے مولانا نثار صاحب کی خیانتیں ملاحظہ کرنے کے بعد ہی یہ تبصرہ فرمایا ہے۔ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے علم وتقوی پر اعتماد کرنے والوں کے لیے تو اُن کی تحریر ہی کافی ہے۔ لہٰذا ہمیں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تحریر کی بنا پر اِس بات کا سو فیصد یقین ہے کہ مولانا نثار صاحب نے اپنے مذکوہ بالا مضمون میں بھی خیانت سے کام لیا ہے۔ اور اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بنا پر ہم یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ مولانا نثار حسینی نے اپنی بیشتر تحریرات میں خیانت سے کام لیا ہے۔

مولانا نثار احمد ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں:

لیکن چونکہ مولانا نثار احمد صاحب کو حضرت قائد اہل سنت پر اعتماد نہیں اور وہ عوام وخواص کی آنکھوں میں دھول بھی جھونکنا چاہتے ہیں، اِس لیے وہ اپنی خیانت کو تسلیم کرنے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ مرشدی حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دیرینہ رفیق حافظ عبد الوحید حنفی صاحب کے نام اپنے مکتوب میں مولانا نثار صاحب لکھتے ہیں:

''گزارش ہے کہ میرے مضمون متعلقہ ''الارشاد'' اٹک میں جو غلط استدلال پیش کیے گئے اور حوالہ جات میں جو خیانت ہے وہ واضح کی جائے۔'' [آفتاب سنت: ۳۱]

قارئین جانتے ہیں کہ مغالطہ اور فریب بالآخر واضح ہو کر رہتا ہے۔ اور خصوصاً جب وہ دینی معاملات میں ہو۔ کیونکہ دین کی حفاظت اللہ پاک نے کرنی ہے، لہٰذا اللہ پاک ہر پہلو سے اُس کی مکمل حفاظت کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور فرما دیتے ہیں۔ اِس لیے مولانا نثار احمد کی تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود اُن کی ناانصافیوں کا پردہ چاک ہوتا چلا جارہا ہے۔ ہماری مولانا نثار صاحب سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ عناد

وتعصب اور ہیرا پھیری کا راستہ ترک کرتے ہوئے سابقہ کوتاہیوں سے توبہ کرکے ان کی مکمل تلافی فرمائیں۔ اور اپنی زندگی کے بقیہ ایام ضمیر کے بوجھ سے آزاد ہوکر اطمینان اور سکون سے گزاریں۔

’’الارشاد‘‘ کے مضمون میں مولانا نثار صاحب کی خیانتیں:

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مولانا نثار احمد صاحب کی ’’کم علمی، کم فہمی اور خیانت‘‘ کے بارے میں ہم ان شاء اللہ ایک مستقل تحریر قارئین کے سامنے لائیں گے۔تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو۔سر دست ہم مولانا نثار صاحب کے مضمون متعلقہ ’’الارشاد‘‘ میں اُن کی کم علمی وکم فہمی کی صرف ایک مثال اور مضمون میں موجود خیانات میں سے فقط تین طرح کی خیانتوں سے پردہ اُٹھاتے ہیں جو ایک استفتاء اور اس کے جوابات سے متعلق ہیں۔(۱)......پہلی خیانت استفتاء لکھنے میں، (۲)......دوسری خیانت استفتاء نقل نہ کرنے کی (۳)......اور تیسری قسم کی خیانت جوابات میں قطع وبرید کی ہے۔

مولانا نثار صاحب کی کم علمی وکم فہمی کی مثال:

مولانا نثار صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: ’’تعلیم وتعلم کی تداعی آثارِ صحابہ سے ثابت ہے تو ذکر اللہ کی تداعی بھی اسی طرح ثابت بالسنہ سمجھی جائے گی۔‘‘ [الارشاد:۵۰] یہاں مولانا موصوف نے ذکر اللہ کو تعلیم وتعلم پر قیاس کیا ہے، حالانکہ یہ اُن کی کم علمی اور کم فہمی کی دلیل ہے۔ذکر اللہ لازمی عبادت ہے اور تعلیم وتعلم متعدی عبادت ہے۔(یعنی تعلیم دوسروں تک فائدہ پہنچانے کے لیے ہے، جبکہ نفس ذکر اللہ اپنی ذات کے فائدے کے لیے ہے۔)اور لازمی عبادت کو متعدی عبادت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

یاد رہے کہ: ذکر اللہ کے فضائل بیان کرنا، اور ذکر کی تعلیم دینا تو متعدی عبادت ہے۔لیکن نفس ذکر لازمی عبادت ہے۔اہل علم دونوں کے فرق کو بخوبی جانتے ہیں۔ذکر کے فضائل بیان کرنے، فضائل درود شریف بیان کرنے کے لیے تداعی مستحب ہے۔لیکن نفس درود شریف اور نفس ذکر کے لیے تداعی مستحب نہیں۔دونوں میں فرق ہے۔لہٰذا مولانا نثار صاحب کا نفس ذکر کو تعلیم پر قیاس کرنا غلط ہے۔

(۱)......استفتاء میں خیانت:

اہل علم وعقل جانتے ہیں کہ فتوے کا اُصول یہ ہے کہ مفتی، مستفتی کی طرف سے پوچھی گئی صورت کے مطابق جواب دیا کرتا ہے۔استفتاء میں مذکور صورت حقیقتِ حال کے مطابق ہے یا نہیں، واقعہ کے مطابق ہے یا خلاف واقعہ ہے، اس سے مفتی کو سروکار نہیں ہوتا۔نہ ہی وہ ہر استفتاء میں درج صورت کی تحقیق کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ہاں اتفاقاً اُسے معلوم ہو کہ استفتاء میں درج صورت خلافِ واقعہ ہے تو الگ بات

ہے، ورنہ اگر مفتی کو اس کا علم نہ ہو تو استفتاء کی تمام تر ذمہ داری مستفتی اور سائل پر عائد ہوتی ہے۔ مفتی کا کام مذکورہ صورت کا شرعی جواب دینا ہوتا ہے۔

مولانا نثار احمد حسینی صاحب نے ''مروجہ مجالس ذکر'' کے حوالے سے ایک استفتاء اپنے قلم سے تحریر کیا تھا، جس میں سائل کا نام ''عبدالرحمٰن حضروی'' درج کیا تھا۔(اس کا عکس شامل اشاعت ہے) استفتاء درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت حضرت اقدس..........صاحب دامت برکاتہم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ: ہفتہ/عشرہ میں چند آدمی ذِکر یا درود شریف کے لیے جمع ہو جاتے ہیں، اِس مجلس میں درج ذیل اُمور کا پابندی سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔

۱۔تعین یوم مخصوص کا التزام نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایام مخصوصہ میں کرنے اور باقی اوقات میں نہ کرنے کی نفی کی جاتی ہے۔اور برا سمجھا جاتا ہے۔

۲۔التزام نہ عقیدۃً ہوتا ہے نہ عملاً، بلکہ اس مجلس میں ہی التزام کی نفی کی جاتی ہے۔

۳۔التزام کی عملاً نفی ظاہر کرنے کے لیے کبھی چھوڑ بھی دیا جاتا ہے۔یا کسی غیر مقررہ وقت کر لیتے ہیں۔

۴۔دنیاوی مصلحت کے لیے کبھی کسی دن کو مقرر کر لیا جاتا ہے، مثلا: مدرسہ کی تعطیل یا متعلقین کی ذاتی مصروفیات سے فراغت کا دِن جیسا کہ ہمارے ہاں مدارس کا نصاب اور نظام الاقات وغیرہ۔

اِس مصلحت کو دینی مصلحت نہیں سمجھا جاتا بلکہ دنیاوی مصلحت ہی سمجھا جاتا ہے۔اور دینی مصلحت سمجھنے کی باقاعدہ تردید کی جاتی ہے۔

۵۔انفرادی عمل کو ترجیح دی جاتی ہے۔اجتماعی عمل فرض واجب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ فقط درجہ استحباب میں انفرادی عمل کے سکھانے یا ترغیب دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔جیسا کہ ہمارے اکابر مثلا: امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مفتی محمد حسنؒ جامعہ اشرفیہ کے ہاں مجلس ذکر وغیرہ، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے ہاں مجلس ذکر اور مجلس درود شریف اور دارالعلوم دیوبند میں ختم خواجگان وغیرہ التزاماً نہیں بلکہ اہتماماً کیا جاتا رہا ہے۔

ایسی مجلس اور اس میں شرکت کا از روئے قرآن وسنت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

والسلام......عبدالرحمٰن حضروی''

مروجہ مجالس ذکر کے بارے میں مولانا نثار کا موقف:

مروجہ مجالس ذکر کے بارے میں مولانا نثار احمد حسینی صاحب کا موقف یہ ہے کہ:

۱......مجلس ذکر مقصودی عبادت ہے۔یعنی کم از کم مستحب ضرور ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''مجلس ذکر سنت غیر مؤکدہ یعنی مستحب عمل ہے۔'' [الارشاد:۴۸]......''ذکرِ حلقہ یعنی مجلس کی صورت میں ذکر اللہ قرآن پاک سے ثابت اور جائز ہے۔'' [الارشاد:۲۲]

۲......مجلس ذکر کے لیے تداعی بھی سنت ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''تعلیم و تعلم کی تداعی آثارِ صحابہ سے ثابت ہے تو ذکر اللہ کی تداعی بھی اسی طرح ثابت بالسنہ سمجھی جائے گی۔'' [الارشاد:۵۰]......''مجالس ذکر اللہ کی دعوت دینا سنت ہے۔'' [الارشاد:۲۲]......''تین سے زیادہ حضرات ذکر کے لیے دعوت کے ساتھ مجلس کا انعقاد کر سکتے ہیں۔'' [الارشاد:۲۳]

۳......اکابر اہل سنت ہر دور میں مجالس ذکر کا انعقاد اِسی طرح فرماتے رہے، جس طرح مروجہ مجالس ذکر ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''اکابرین امت نے ہر دور میں مجالس ذکر کا قولاً فعلاً اہتمام فرمایا۔'' [ص:۳۰]

۴......خصوصاً اکابر اہل سنت دیوبند اہتمام کے ساتھ مجالس ذکر کا انعقاد فرماتے رہے ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''اکابر دیوبند میں سے ہر ایک نے اپنے مشائخ سے ذکر سیکھا اور سکھایا۔ ذکر اللہ کے التزام کے ساتھ ان حضرات نے مجالس ذکر کا بھی اہتمام فرمایا۔'' [الارشاد:۳۲]......''دارالعلوم دیوبند میں ......روزانہ فجر کی نماز کے بعد مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا۔'' [الارشاد:۳۸]

مولانا نثار صاحب کی نمایاں خیانت:

مولانا نثار احمد صاحب کی اپنی تحریرات سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک مروجہ مجالس ذکر:

۱۔سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ ۲۔ان کے لیے تداعی بھی سنت ہے۔

۳۔اکابر اہل سنت ہر دور میں ان کا انعقاد کرتے رہے۔

۴۔اکابر دیوبند نے بھی ان مجالس کا اہتمام فرمایا۔

لیکن اپنی تائید کے لیے انہوں نے جو فتوے حاصل کیے، اُن کے استفتاء میں اِن اُمور کی صراحت نہیں کی، بلکہ وہاں تو یہ لکھا کہ:

۱۔مجلس میں ہی التزام کی نفی کی جاتی ہے۔ ۲۔کبھی چھوڑ بھی دیا جاتا ہے۔

۳۔انفرادی عمل کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۴۔اجتماعی عمل، فقط انفرادی عمل کے سکھانے (تعلیماً) یا ترغیب دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔

تو اِس سے مولانا نثار صاحب کی خیانت معلوم ہوئی کہ:

مولانا نثار صاحب کا اپنا موقف تو یہ ہے کہ: اجتماعی عمل سنت ہے یعنی مقصود ہے۔لیکن استفتاء میں انہوں نے لکھا ہے کہ: اجتماعی عمل فقط تعلیم یا ترغیب کے لیے ہے۔گویا مقصود نہیں۔

نیز استفتاء میں لکھا ہے کہ: انفرادی عمل کو ترجیح دی جاتی ہے۔حالانکہ مولانا نثار صاحب کے بیسوں صفحات کے مضمون کا سارا زور اجتماعی عمل کی تاکید و ترجیح کے لیے ہے۔

استفتاء میں لکھا ہے کہ کبھی چھوڑ بھی دیا جاتا ہے۔لیکن عملاً اُن کے ہاں ایسا نہیں ہے۔

استفتاء میں لکھا ہے کہ مجلس میں ہی التزام کی نفی کی جاتی ہے، حالانکہ ان کے حلقہ میں تو مجالس کی نفی کرنے والے کو ''ناخلف'' اور ''شیطانی اثر والا'' کہا جاتا ہے۔اس کی ''عاقبت برباد'' ہونے کے فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔اسے ''ظالم'' اور ''ذکر اللہ کا مخالف'' گردانا جاتا ہے۔[دیکھیے ماہنامہ زکریا، اپریل ۲۰۱۷]

مولانا نثار کا موقف تو یہ ہے کہ ''تداعی سنت ہے۔'' مگر استفتاء میں تداعی کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔

مولانا نثار صاحب کے مضمون اور اُن کے اپنے ہاتھ سے لکھے گئے استفتاء کی عبارات اُن کے مغالطے اور خیانت کو روزِ روشن کی طرح نمایاں کر رہی ہیں۔مگر چونکہ مولانا نثار صاحب بہت سے حضرات سے خلافتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، اِس لیے اتنی ساری خیانتوں کے باوجود اُن کے 'تقوے' میں کوئی فرق نہیں آتا۔اور وہ بدستور ''صاحبِ نسبت'' کہلائے جاتے ہیں۔اَب اِس پر ہم کوئی تبصرہ کریں تو ''صاحبِ نسبت کی مخالفت کے وبال'' کا فیصلہ ہمارے بارے میں صادر ہو جائے گا۔

مولانا نثار صاحب کے استفتاء کے تمام جوابات تعلیمی مجالس ذکر کے بارے میں ہیں:

البتہ اتنی بات ہم قارئین پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ اِس استفتاء میں مولانا نثار صاحب نے ''تعلیم'' کی شرط لگائی ہے۔اور انفرادی عمل کو ترجیح دینے کا اقرار کیا ہے۔اِسی طرح کبھی کبھی چھوڑ دینے کا بھی لکھا ہے۔اور تداعی کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔اِس لیے اِس استفتاء کے جواب میں موصول ہونے والے تمام فتاویٰ جات کا ''مروجہ مجالس ذکر'' سے کوئی تعلق نہیں۔جن کو مقصود سمجھ کر کیا جاتا ہے۔نہ ہی مولانا نثار صاحب کی اختیار کردہ مجالس کے لیے اِن فتاویٰ جات سے استدلال کرنا درست ہے۔بلکہ ایسا کرنا بڑی خیانت ہے۔جیسا کہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے نام سے شائع ہونے والی تازہ کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' میں خیانت کرتے ہوئے اِن فتاویٰ جات سے مروجہ مجالس ذکر پر استدلال کی کوشش کی گئی ہے۔[ذکر

اللہ کے حلقے:۴۰۴]

مولانا نثار صاحب کی طرف سے استفتاء میں متعدد شرائط درج کرنے کے باوجود بعض فتاویٰ کے جواب میں بھی شرائط کا تذکرہ ہے۔جیسا کہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم کراچی، مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اور جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے فتاویٰ میں۔باقی فتاوی اگلے صفحات میں آرہے ہیں، چند فتوے یہاں ملاحظہ فرمائیں۔مولانا نثار صاحب کے اس استفتاء کے جواب میں موصول ہونے والے فتاویٰ میں سے نو(۹) عدد فتاویٰ اُنہوں نے اپنے ''الارشاد'' والے مضمون میں نقل کیے ہیں۔جن میں

۱......مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ
۲......دارالعلوم دیوبند
۳......جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۴......جامعہ دارالعلوم کراچی
۵......جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
۶......جامعہ خیر المدارس ملتان
۷......شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان رحمہ اللہ
۸......دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۹......مولانا مفتی شیر محمد علوی، جامعہ اشرفیہ لاہور

کے فتاویٰ شامل ہیں۔(بحمداللہ اصل فتاویٰ کی فوٹو کاپیاں ہمیں دستیاب ہوگئی ہیں۔) ملاحظہ ہوں!

۱۔جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کا جواب:

''صورتِ مسئولہ میں اگر کسی بھی غیر ثابت تاریخ، دن، ہفتہ، عدد وغیرہ کی تعیین اپنی طرف سے لازم نہ کی جائے اور اس کو شرعی حکم قرار نہ دیا جائے تو جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ابوعرباض محمد اقبال عفی المقال......دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ......

نائب مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم......۲۴/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ۔۲۵/اپریل ۱۹۹۵ء''

یہاں صراحت ہے کہ:''اس کو شرعی حکم قرار نہ دیا جائے۔'' جبکہ مولانا نثار صاحب تو مجلس اور تداعی دونوں کو'سنت' قرار دیتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ سنت شرعی حکم ہی ہوتا ہے۔لہٰذا یہ فتویٰ بھی اُن کے لیے مفید نہیں۔اسی طرح باقی فتاویٰ بھی۔چنانچہ جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو!

۲۔جامعہ اشرفیہ لاہور کا جواب:

اگر ان مذکورہ فی السوال اُمور کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور اس مجلس میں شریک نہ ہونے والے کو ملامت بھی نہیں کیا جاتا تو اس مجلس میں شرکت جائز ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: شیر محمد علوی، خادم: دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور......۲/شعبان ۱۴۱۵ھ

''امور مذکورہ فی السوال'' وہی ہیں جو استفتاء میں گزر چکے ہیں۔کہ تعلیم کے لیے ہو وغیرہ۔لہٰذا اِس

فتوے سے بھی مروجہ مجالس ذکر پر استدلال کرنا درست نہیں۔

۳۔شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہید رحمہ اللہ کا جواب:

''مذکورہ صورت جائز اور مستحسن ہے۔فقط: محمد حسن جان......۱۴۱۶/۵/۱۶ھ''

''مذکورہ صورت'' سے مراد استفتاء میں مذکورہ صورت ہے۔جس کی مولانا نثار صاحب کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتے۔ورنہ اُن کے غبارے کی ہوا نکل جائے گی۔

۴۔شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید رحمہ اللہ کا جواب:

''یہ اجتماع بلاشک وشبہ جائز ہے۔یہ تخصیص نہیں ہے۔یہ تحول ہے جیسا کہ (حضرت) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تذکیر میں تحول کرتے تھے یا مدارس میں تعلیم کی جاتی ہے اور جمعہ کے دن نہیں کی جاتی۔

محمد فرید، دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ''

''یہ اجتماع'' سے مراد بھی استفتاء میں درج شرائط والا اجتماع ہے۔

خلاصہ یہ کہ اِس استفتاء اور اس کے جوابات کا، مولانا نثار احمد صاحب یا مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کی اختیار کردہ ''مروجہ مجالس ذکر'' کے ساتھ کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔

(۲)......استفتاء درج نہ کرنے کی خیانت:

استفتاء لکھنے میں تو مولانا نثار صاحب سے جس قدر خیانتیں ہوسکتی تھیں، اُنہوں نے کیں، مگر شاید اَبھی جی نہیں بھرا تھا یا خیانت کا حق ادا نہیں ہوا تھا، لہٰذا مزید خیانت یہ کی کہ اپنے مضمون میں یہ استفتاء درج ہی نہیں کیا۔چنانچہ الارشاد [ص:۳۹] پر دیکھا جاسکتا ہے کہ: مولانا نثار صاحب نے ''مجالس ذکر پر عصر حاضر کے مفتیان کرام اور علماء محققین کی رائے'' کا عنوان قائم کر کے استفتاء نقل کیے بغیر جوابات درج کر دیئے۔ حالانکہ جب تک استفتاء سامنے نہ ہو، کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کس سوال کا جواب ہے۔اور کون سی صورت کا شرعی حکم ہے؟

مولانا ہزاروی بھی اس خیانت میں شامل ہیں:

یاد رہے کہ استفتاء نقل نہ کرنے کی خیانت کو بھول چوک یا بلا ارادہ ''اشاعت سے رہ جانے'' کا عذر نہ کیا جائے، جیسا کہ مولانا نثار صاحب نے کہہ دیا کہ ''استفتاء چھپنے سے رہ گیا تھا۔'' کیونکہ اِس استفتاء کا جواب مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے نام سے طبع ہونے والی تازہ کتاب (مطبوعہ مارچ ۲۰۱۹ء) میں بھی موجود ہے، مگر استفتاء وہاں بھی نقل نہیں کیا گیا۔حالانکہ اسی کتاب میں دیگر فتاویٰ جات کے استفتاء بھی ان

کے ہمراہ ہیں۔[دیکھیے کتاب: ذکر اللہ کے حلقے: ۴۰۳] اگر تو مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کو اِس صورت حال کا علم ہے تو اِس خیانت میں مولانا نثار صاحب کے ساتھ وہ بھی شریک ہیں۔ اور اگر اُن کو علم نہیں تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ جس سے کتاب لکھوائی، اُس سے اتنا ہی پوچھ لیتے کہ باقی فتاویٰ جات کے سوال نامے بھی ساتھ ہیں، اِس فتوے کا سوال نامہ کیوں نہیں نقل کیا!؟

اِسی خیانت کی ایک اور مثال:

اسی طرح کی خیانت مولانا نثار احمد اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے ''قضیہ کا خاتمہ'' میں بھی کی ہے، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کو خط لکھا، جواب میں جو کچھ حضرتؒ نے تحریر فرمایا، وہ حضرت کی زندگی میں شائع نہیں کیا۔ حالانکہ اس کے بعد کئی سال حضرتؒ حیات رہے۔ حضرت کی وفات کے چند سال بعد وہ جواب شائع کیا، مگر جو خط لکھا تھا وہ شائع نہیں کیا۔ ظاہر بات ہے محض جواب سے حقیقتِ حال کیسے معلوم ہوسکتی ہے؟ بہر حال یہ اِس گروہ کی خیانت کا ایک طریقہ ہے۔

اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی جب تک مولانا نثار صاحب کے کہنے پر چلتے رہیں گے، مولانا نثار صاحب اِس طرح کے کارنامے اپنے اور اُن کے نام سے سرانجام دیتے رہیں گے۔ اور دونوں حضرات اس کے نتائج بھگتتے رہیں گے۔

(۳)......استفتاء کے جوابات میں قطع و برید:

تیسری قسم کی بڑی خیانت جو استفتاء کے حوالے سے مولانا نثار صاحب نے بڑی محنت سے اپنے مضمون میں سرانجام دی، وہ فتاویٰ جات کے نقل کرنے میں قطع و برید کی خیانت ہے۔

ا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا جواب نقل کرنے میں خیانت:

چنانچہ مولانا نثار کے استفتاء کے جواب میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ج: ان اُمور کی رعایت کرتے ہوئے یہ اجتماع جائز اور اس میں شرکت درست ہے۔

اکابر کے یہاں جو مل کر ذکر کرنے کا معمول تھا یا ہے، اس کا مقصد مبتدیوں میں ذکر سے لگاؤ پیدا کرنا ہے، ورنہ اپنا اپنا ذکر تو تنہائی میں ہی کیا جاتا ہے۔

اور جو امور کہ حضرات مشائخ بطورِ علاج تجویز فرماتے ہیں، ان کی حیثیت علاج ہی کی ہوتی ہے۔ شرعی عبادت کی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کو بدعت نہیں کہا جاتا۔ واللہ اعلم　　　محمد یوسف عفا اللہ عنہ''

جبکہ مولانا نثار صاحب نے صرف اتنا جواب نقل کیا:

''یہ اجتماع جائز اور اس میں شرکت درست ہے۔ ۱۴۱۵/۸/۸ھ'' [الارشاد: ۴۱] اور ''اِن اُمور کی

رعایت کرتے ہوئے'' کی شرط شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے۔ تاکہ رہے نام خیانت کا۔ اسی طرح مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا باقی جواب بھی نقل نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے مولانا نثار صاحب کے موقف پر ضربِ کاری پڑ رہی ہے۔ حضرت نے واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ:

۱......اپنا اپنا ذکر تو تنہائی میں ہی ہوتا ہے۔

۲......اکابر کے ہاں مل کر ذکر کرنے کا معمول مبتدیوں میں ذکر سے لگاؤ کے لیے تھا۔

۳......جو اُمور مشائخ بطور علاج تجویز فرماتے ہیں، ان کی حیثیت علاج کی ہوتی ہے، شرعی عبادت کی نہیں ہوتی۔

ظاہر بات ہے اس استفتاء کی ایک ایک سطر مولانا نثار صاحب کے موقف کی دھجیاں اُڑا رہی ہے، اِس لیے اُنہوں نے اِس میں سے اپنا من پسند جملہ کشید کر کے باقی کو ترک کر دیا۔ تاکہ خیانت خالص رہے۔

۲۔ جامعہ دارالعلوم کراچی کا جواب نقل کرنے میں خیانت:

مولانا نثار صاحب نے اپنے استفتاء کے جواب میں موصول ہونے والے فتاویٰ میں سے جیسے مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے فتوے میں قطع و برید اور خیانت سے کام لیا، ایسے ہی دارالعلوم کراچی کے فتوے میں بھی وہ تلبیس سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ اُن کے سوال کے جواب میں دارالعلوم کراچی کا جو فتویٰ موصول ہوا تھا، وہ درجِ ذیل ہے:

''شرعاً اس میں شرکت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مزید تفصیل اور شرائط کے لیے منسلکہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد کمال الدین غفرلہ، دارالافتاء: دارالعلوم کراچی ۱۴......۱۴۱۵/۸/۱۵ھ

الجواب صحیح: بندہ محمود اشرف غفراللہ لہ......۱۴۱۵/۸/۱۶ھ''

جامعہ دارالعلوم کراچی کا ایک تفصیلی (مولانا نثار صاحب والے فتوے سے منسلک) فتویٰ:

''کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب جن کا نام صوفی محمد اقبال ہے۔ یہ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں۔ سنا ہے کہ یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خلیفہ ہیں۔ اور یہاں خیر المدارس میں کچھ لوگ ان کے مرید ہیں۔ جن میں مفتی عبدالستار صاحب صدر مفتی جامعہ خیر المدارس بھی ہیں۔

ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہفتہ میں دو دن مقرر کر لیتے ہیں۔ ان دو دنوں میں مغرب کے بعد پہلے کچھ بیان کرتے ہیں۔ پھر روشنی بند کر کے ذکر کرتے ہیں۔ اور جمعرات کو عشاء کی نماز کے بعد دائرہ لگا کر بیٹھ کر

درود شریف پڑھتے ہیں۔

اور ہر سال پورے رمضان المبارک کا اعتکاف کرتے ہیں۔ اعتکاف کی دعوت دیتے ہیں۔ کافی تعداد معتکفین کی جمع ہو جاتی ہے۔ اور معتکفین کے لیے افطاری وسحری کا انتظام ہوتا ہے۔

قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے؟ تفصیلاً جواب مطلوب ہے۔

اصغر علی غفرلہ، ناظم اعلیٰ: جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب......حامدا و مصلیا:

ہر سال پورے ماہ مبارک کا نفلی اعتکاف اور مقررہ ایام میں اجتماعی ذکر و درود کی مجالس کا انعقاد اگر ہر قسم کے مفاسد سے خالی ہو تو جائز ہے۔ اور اگر مفاسد و منکرات پر مشتمل ہو تو اُن سے پرہیز لازم ہے۔

جامعہ خیر المدارس کی مسجد میں ہر سال پورے ماہِ رمضان المبارک کا جو اعتکاف شروع ہوا ہے، اور ہفتہ میں دو دن مقرر کر کے ایک دن بعد مغرب بیان سے فارغ ہو کر باقاعدہ روشنیاں بند کر کے اجتماعی طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اور جمعرات کو عشاء کے بعد سب لوگ دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں، ایک آدمی درود شریف کی چہل حدیث پڑھتا ہے، باقی لوگ خاموشی سے سنتے ہیں۔

اس کے پس منظر میں عرض ہے کہ اس سلسلہ کا اصل آغاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر اس کام کا خاص غلبہ تھا۔ یاد آتا ہے کہ مکی مسجد کراچی یا جامعہ دار العلوم کراچی میں تشریف لانے پر ناچیز نے خود آپ کی زبان مبارک سے سنا کہ: آج کل سیلاب کی طرح فتنے آرہے ہیں۔ ان سے بچنے کا طریقہ تقاضے کے ساتھ میرے دِل میں یہ آرہا ہے کہ ذِکر اللہ کی کثرت کی جائے تو شاید اُن سے تحفظ ہو سکے۔ چنانچہ اس قلبی تقاضہ کے مطابق حضرت شیخؒ جہاں بھی جاتے کثرت ذِکر اللہ کی تاکید فرماتے اور خانقاہیں زندہ فرمانے کی طرف متوجہ ہوئے۔

فیصل آباد وغیرہ میں پورے ماہِ رمضان المبارک میں نفلی اعتکاف فرمایا، اُن کے بعد اُن کے خدام و خلفاء نے بھی اس کا خصوصی اہتمام شروع کیا۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کی مسجد میں اس کا آغاز بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

چونکہ بذات خود نفلی اعتکاف میں اور اجتماعی ذکر و درود میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جائز ہے۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات تک اس میں کوئی قابل نکیر بھی سامنے نہیں، اس لیے اس کی ممانعت کا کوئی خیال بھی نہیں آیا۔

لیکن حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد جب اس کام کی نوعیت میں خاص اہتمام و انتظام شروع ہوا بلکہ کچھ التزام کی حدود کو چھونے والا حال بھی سننے میں آنے لگا تو اس کی طرف سے دِل میں کھٹک ہونے لگی اور خطرہ ہونے لگا کہ آگے چل کر اس میں واقعۃً حدودِ جواز سے تجاوز نہ ہو جائے اور منکرات و مفاسد شامل

ہوکراس کوناجائز نہ بنادیں۔ کیونکہ اکثر بدعات کا ظہور اسی طرح ہوا ہے کہ اصلاً وہ جائز یا مستحب کام تھے۔ اور نیک مقاصد کے تحت ان کو اختیار کیا گیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں حدود شرعیہ سے تجاوز ہونے لگا، کچھ منکرات شامل ہوگئے اور بالآخر التزام ہونے پر وہ بدعت بن گئے۔

آپ کا سوال آنے کے بعد اس پر غور کرنے اور کا تفصیلی حال معلوم کرنے کا اور موقعہ ملا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم سے بھی مفصل مکاتبت ہوئی اور دیگر باخبر اکابر سے بھی صورت حال کے بارے میں تحقیق کی۔ اس طرح مخالف وموافق دونوں طرح کے احوال سامنے آئے۔ ان سب کی روشنی میں فی الحال ہماری رائے یہ ہے کہ:

جامعہ خیر المدارس ملتان کی مسجد میں ہر سال پورے ماہِ مبارک کا اجتماعی نفلی اعتکاف اور اجتماعی ذِکر و درود کی مجالس جو انعقاد ہورہا ہے، یہ جائز ہے، مگر سنت نہیں۔

اور یہ جواز بھی اس صورت میں ہے کہ جبکہ اس اجتماعی اعتکاف کو انفرادی اعتکاف سے افضل نہ سمجھا جائے۔ اور نہ اس کا التزام اس طرح کیا جائے جس سے پورے رمضان کے مسنون ہونے یا اس اجتماعی ہیئت کے سنت یا افضل ہونے کا شبہ ہو۔

اور فی الحال ان میں کوئی ایسا واضح منکر یا حدودِ شرعیہ سے تجاوز سامنے نہیں آیا جس کی بنا پر اس کو بدعت اور ناجائز کہا جاسکے۔ البتہ ایسے خطرات اور اندیشے ضرور ہیں جو دھیرے دھیرے ان میں شامل ہوکر آئندہ ان کو ناجائز بنادیں۔ اور پھر اُن سے ہٹنا مشکل ہوجائے۔

اِس لیے پورے ماہِ رمضان المبارک کے اجتماعی نفلی اعتکاف ااور اجتماعی ذِکر و درود کی مجالس کے انعقاد کی ہر سال پابندی سے احتیاطاً اجتناب کرنا چاہیے۔ ہاں! رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی پورے ماہ کا اعتکاف بھی کرلیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

اور ذِکر و درود بھی انفرادی طور پر کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی اجتماعی طور پر بھی کرلیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ اور یہی اسلم واحوط ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ عبدالرؤف سکھروی، دارالافتاء دارالعلوم کراچی، [نائب مفتی: دارالعلوم کراچی]

الجواب صحیح: محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ، [مفتی: دارالعلوم کراچی]......۱۴۱۳/۴/۵ھ

الجواب صحیح: احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، [مفتی: دارالعلوم کراچی]......۱۴۱۳/۴/۱۰ھ

الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ، [نائب مفتی: دارالعلوم کراچی]......۱۴۱۳/۴/۱۱ھ

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی، دارالافتاء دارالعلوم کراچی......۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی......۱۴۱۳/۴/۱۱ھ

بندہ محمود اشرف عثمانی عفی عنہ۔ ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ‘‘

دارالعلوم کراچی کے اس منسلکہ فتوے سے معلوم ہوا کہ:

۱......حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے وصال کے بعد اس کام میں خاص اہتمام و انتظام شروع ہوگیا جو التزام کی حدود کو چھونے لگا۔

۲...... یہ اجتماع جائز ہے مگر سنت نہیں۔

۳...... یہ جواز بھی تب ہے جب اسے انفرادی عمل سے افضل نہ سمجھا جائے۔

۴......اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ اس میں منکرات شامل ہوکر آئندہ اس کو ناجائز بنادیں۔

۵......اس اجتماع کی پابندی سے احتیاطاً اجتناب کرنا چاہیے۔

۶......ذکر انفرادی طور پر کرنا چاہیے۔کبھی کبھی اجتماعی طور پر کرلیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

۷......اکابر اہل سنت دیوبند کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔

۸......یہی سلامتی اور احتیاط کا راستہ ہے۔

جبکہ مولانا نثار حسینی صاحب نے اپنے مضمون میں فقط اتنا جواب نقل کیا:

''شرعاً اس (مجلس ذکر) میں شرکت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''[الارشاد:۳۹] اور باقی سارے فتوے اور شرائط کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ حذف کردیا۔کیونکہ اس مکمل فتوے کو نقل کرنے سے اُن کے مقصد پر ہی نہ صرف پانی پھر جاتا بلکہ اُن کے تمام فریب نیست و نابود ہوجاتے۔

۳۔دارالعلوم دیوبند کا جواب نقل کرنے میں خیانت:

مولانا نثار احمد صاحب نے دیوبندی کہلانے کے باوجود اپنے استفتاء کے جواب میں دارالعلوم دیوبند سے موصول ہونے والے فتوے کی بھی حیاء نہیں کی اور اسے بھی اُدھورا ہی نقل کیا۔چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا جواب یہ تھا:

''الجواب باسمه سبحانه وتعالیٰ وبالله العصمة والتوفیق، حامدا و مصلیا و مسلما

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں ذکر اللہ بلکہ کثرت ذکر کا حکم وترغیب اور اس کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔اور اہل مشائخ اپنے اپنے متوسلین کو جو ذکر و مراقبہ تلقین کرتے ہیں اس کا مقصود اعظم اخلاق رذیلہ سے تزکیہ اور اخلاق فاضلہ سے تحلیہ ہوتا ہے۔

اور اس باب میں اصل یہ ہے کہ جو شیخ جس مرید کو جو ذکر و مراقبہ بتلائے اور اس کے لیے جو وقت مقرر کردے مریدین کو چاہیے کہ ہر شخص اسی کو معمول بہا بنائے۔

اور کسی مکان میں دو چار یا اس سے کم و بیش لوگ یکجا بیٹھ کر اپنا اپنا معمول پورا کرلیں،شرعاً اس میں

بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

باقی آپ جوصورت اختیار کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق عرض ہے کہ حضرت اقدس الحاج مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ صاحب احسن الفتاویٰ سے بالمشافہہ یا تحریراً معلومات کر کے اختیار کر لیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احقر محمود غفرلہ بلند شہری......دارالعلوم دیوبند......۱۴۱۶/۴/۱۵ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ......مہر دارالافتاء دیوبند......فتویٰ نمبر: ۲۵۶''

اس فتوے میں درج ہے کہ:

۱......کسی مکان میں دو چار یا کم وبیش لوگ یکجا بیٹھ کر اپنا اپنا معمول پورا کرلیں۔(یعنی یک آواز ہو کر نہ کریں۔) تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

۲......جوصورت آپ اختیار کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب سے رابطہ کریں۔

مگر مولانا نثار صاحب نے آخری دوسطروں کو حذف کر کے ادھورے فتوے کو ہی اپنے مضمون کی تائید میں پیش کر دیا۔[الارشاد:۳۹] تا کہ خیانت کا کوئی موقع ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کیونکہ اگر وہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ یا ''احسن الفتاویٰ'' کی طرف رجوع کرتے تو نتیجہ اُن کو بھی معلوم تھا کہ تائید حاصل نہیں ہو سکے گی۔

۴۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ نقل کرنے میں خیانت:

اسی طرح مولانا نثار صاحب نے جامعة العلوم الاسلامیہ کراچی کے فتویٰ میں بھی بھر پور خیانت کر کے اپنے ''خائن'' ہونے کا پورا ثبوت پیش کیا ہے۔ جامعہ علوم اسلامیہ کا جواب یہ ہے:

''الجواب ومنه الصدق والصواب

صورتِ مسئولہ میں اگر چند آدمی ذِکر یا درود شریف کے لیے کسی مجلس میں اجتماعی اہتمام کریں اور استفتاء میں ذکر کردہ قیود وشرائط کے مطابق ہو اور اس سے تجاوز نہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور سلف صالحین کا عمل رہا ہے۔

اسی طرح اجتماعی ذکر یا درود شریف میں افضل تو اخفاء ہی ہے جیسا کہ مختصر الفتاویٰ میں ہے:

واتفق المسلمون على أن الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم والدعاء كله سرا أفضل، بل الجهر ورفع الصوت بالصلوة بدعة. ص:۵۲، طبع مصر

لیکن امام شعرانی رحمہ اللہ نے سلفاً وخلفاً علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ اگر اجتماعی طور پر جہراً ذِکر یا درود

شریف سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو تشویش نہ ہو تو یہ مستحب ہے۔جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی حاشية الحموی عن الإمام الشعرانی أنه أجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذكر الجماعة فی المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم علی نائم أو مصل أو قاری.[فتاویٰ شامی:۱/ ۶۶۰]

ترجمہ: اور علامہ حموی رحمہ اللہ کے حاشیہ میں امام شعرانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سلف وخلف کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں اجتماعی شکل میں جہراً ذکر کرنا جبکہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا کسی تلاوت کرنے والے کو تشویش نہ ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

ہاں تشویش کی صورت میں ناجائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ: مشتاق احمد مردانی عفی عنہ،التخصص فی الفقہ الاسلامی، دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

۱۴۱۵/۸/۸ھ......الجواب صحیح: محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ، رئیس: دارالافتاء''

مولانا نثار صاحب نے ابتدائی چھ(۶) سطریں حذف کردیں،[الارشاد: ۴۰] جن میں یہ عبارت بھی شامل ہے: ''استفتاء میں ذکر کردہ قیود وشرائط کے مطابق ہو اور اس سے تجاوز نہ ہو''۔

۵۔جامعہ خیرالمدارس ملتان کا جواب نقل کرنے میں خیانت:

مولانا نثار صاحب کے استفتاء کے جواب میں جامعہ خیرالمدارس سے جو دولفظی جواب موصول ہوا، مولانا نثار صاحب نے بریکٹ لگا کر اس میں بھی اپنی خیانت کے لیے راستہ نکال لیا، جواب یہ ہے:

''درست ہے۔فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ......۱۴۱۵/۸/۲۱ھ......حوالہ: ۶۶/۴''

یعنی استفتاء میں درج شرائط والا اجتماع درست ہے۔جبکہ مولانا نثار صاحب نے خیانت کرتے ہوئے اس جواب سے پہلے بریکٹ میں ''مجالس ذکر میں شرکت'' کا اضافہ کردیا۔اور عبارت یوں بن گئی: ''(مجالس ذکر میں شرکت) درست ہے۔''[الارشاد: ۴۰] حالانکہ یہ فتویٰ مطلقاً مجالس ذکر سے متعلق نہیں بلکہ سوال میں موجود شرائط کے مطابق منعقد ہونے والی مجالس کے متعلق ہے۔مگر مولانا نثار صاحب نے کمال کی ہاتھ صفائی سے اس میں خیانت کا ٹانکا لگا دیا۔

''ذکر اللہ کے حلقے'' نامی کتاب میں اِس خیانت کا اِعادہ:

سابقہ سطور میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے نام سے حال ہی میں طبع ہونے والی کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' میں دیگر تلبیسات کے ساتھ ساتھ مولانا نثار احمد حسینی کی اس خیانت کا بھی اعادہ کیا گیا ہے۔اور ذکر، ذکر بالجہر، مجامع ذکر اور مجالس ذکر کو خلط ملط کر کے ''مروجہ ناجائز مجالس ذکر''

پر استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ''ذکر اللہ کے حلقے'' نامی کتاب کے صفحہ ۴۰۳ پر لکھا ہے:

''مندرجہ بالا استفتاء کی طرح جناب عبدالرحمٰن حضروی صاحب (مولانا نثار احمد حسینی صاحب [ناقل]) نے بھی جامعات اور اکابر کو ایک استفتاء بھیجا تھا۔ جس کے جواب میں شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا تھا۔'' [ذکر اللہ کے حلقے: ۴۰۴]

استفتاء نقل کیے بغیر فقط جواب نقل کیا گیا ہے۔ البتہ یہاں خیانت میں کسی قدر کمی گئی ہے کہ حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ کا جواب مکمل نقل کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ:

۱......اپنا اپنا ذکر تو تنہائی میں ہی ہوتا ہے۔

۲......اکابر کے ہاں مل کر ذکر کرنے کا معمول مبتدیوں میں ذکر سے لگاؤ کے لیے تھا۔

۳......جو اُمور مشائخ بطور علاج تجویز فرماتے ہیں، ان کی حیثیت علاج کی ہوتی ہے، شرعی عبادت کی نہیں ہوتی۔

اور یہ بالکل قطعی ہے کہ ''مروجہ ناجائز مجالس ذکر'' پر اِس سے استدلال کرنا بالکل بھی درست نہیں۔

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ مولانا نثار نے خیانت کی ہے:

قارئین بخوبی جان چکے ہیں کہ مولانا نثار احمد الحسینی صاحب نے ماہنامہ ''الارشاد'' میں شائع ہونے والے اپنے مضمون ''مجالس ذکر: ایک علمی و تحقیقی جائزہ'' میں دیانت و انصاف کا خون کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کئی قسم کی خیانتیں کی ہیں۔ جن میں سے فی الحال ہم نے محض تین طرح کی خیانتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ مرشدی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا دعویٰ بالکل سچا اور مبنی بر حقیقت ہے۔

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بارے میں مولانا نثار صاحب کی متضاد تحریرات:

کسی موقع پر اِن شاء اللہ ہم مولانا نثار احمد صاحب اور اُن کے احباب کی وہ تحریرات بھی جمع کریں گے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دِل حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بغض سے خوب بھرے ہوئے ہیں، ممکن ہے مولانا نثار صاحب کسی کو یہ کہہ کر مغالطہ دینے کی کوشش کریں کہ: ''میں نے تو حضرت کو ترجمان اہل سنت تسلیم کیا ہے۔'' تو اِس سلسلہ میں عرض ہے کہ مولانا نثار احمد الحسینی صاحب بھی مماتیوں اور غیر مقلدوں کی طرح قلابازیاں لگانے کے ماہر ہیں، اور موقع محل کے مطابق بات بدلنے کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ اُن کی متعدد تحریرات اور زبانی گفتگوؤں سے بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا دِل حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے بغض و حسد سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ کبھی تو اُن کو ''صحابہ کرام پر تنقید و تنقیص کے نشتر چلانے والا لکھ

دیتے ہیں‘‘ اور کبھی کچھ اور۔لیکن کبھی نامعلوم مقاصد کے لیے ان کو ’’ترجمان اہل سنت‘‘ بھی تسلیم کرلیتے ہیں۔اَب اِس حقیقت سے وہ خود ہی پردہ اُٹھاسکتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید وتنقیص کے نشتر چلانے والا اہل سنت کا ترجمان کیسے ہوسکتا ہے؟

اَب یا تو وہ اپنی پہلی بات کو غلط تسلیم کرکے اس سے اعلانیہ توبہ اور رجوع کریں۔یا اپنی دوسری بات کو منافقت پر مبنی تسلیم کرلیں۔اللہ کرے وہ پہلی صورت اختیار فرمالیں۔

چھبیس (۲۶) سال سے دیوبندیت میں اختلاف پیدا کرنے والوں سے گزارش:

مولانا نثار صاحب اور اُن جیسے دیگر حضرات سے ہم گزارش کریں گے کہ خوامخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی اختیار کرکے اُمت میں مزید اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے بجائے اتحادواتفاق کی فضا بنائیں۔آج سے تقریباً چھبیس (۲۶) سال قبل آپ اور آپ کے بڑوں نے اُمت میں جس اختلاف کا بیج بویا تھا۔ابھی تک آپ نے اُس اختلاف کا مکمل سد باب نہیں کیا، بلکہ محض چند بدعتی شخصیات کو بچانے کی خاطر اکابر دیوبند کے موقف کو واضح الفاظ میں تسلیم کرنے سے تاحال گریزاں ہیں۔

اور اس کے بعد سے اَب تک بھی آپ دیوبندیت کے نام پر تخریبی کاموں میں ہی مسلسل مصروفِ عمل نظر آرہے ہیں۔خدارا! یہ روش ترک کیجیے اور عرس میلاد، تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب اور مجالس ذکر کے بارے میں اکابر اہل سنت دیوبند کا حقیقی مسلک اختیار کرکے امت میں وحدت کو فروغ دیں۔اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

وفیات

......شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کے فرزند ارجمند رحمہ اللہ [ظاہر پیر]

......قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے عزیز قاضی فاروق رحمہ اللہ [چیچہ وطنی]

......مولانا عبدالغفور [فاضل جامعہ محمدیہ لاہور] کے والد محترم رحمہ اللہ [لاہور]

......دارالعلوم کراچی کے طالب علم رحمہ اللہ

......مولانا حماد صدیقی [امام مسجد: ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار لاہور] کے والد گرامی رحمہ اللہ [لاہور]

......جامعہ مظہریہ حسنیہ کے طالب علم عبدالغنی کے چچا رحمہ اللہ

......مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے بعض رفقائے سفر رحمہم اللہ [کراچی]

......جناب عبدالعزیز سومرو کے ماموں رحمہ اللہ [جنہان، سندھ]

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

حافظ عبدالوحید الحنفی، چکوال

جوابی مکتوب حضرت سومرو مدظلہم بنام حافظ عبدالوحید حنفی

مکتوب راقم الحروف بنام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سومرو

از چکوال

۱۷/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

بوقت تین بجے دن

جناب محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ سومرو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش اور تندرست رکھے۔ اور ہم سب سے راضی ہو کر اللہ اپنی رضا نصیب کریں آمین۔

حال ہی میں ایک کتاب ''مجالس ذکر اللہ کے خلاف سازشیں''۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب [استاد الحدیث: جامعہ دارالعلوم ربانیہ پھلور ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب] نے شائع کی ہے، اس پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے چند چیزیں ایسی نظر سے گزریں جن کا حقیقتِ حال سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔

چنانچہ مذکورہ کتاب کے ۱۲۷/ پر سرخی لگائی ہے: ''علامہ عبدالرحیم.....کے پیر کا نظریہ مماتیت'' اس سرخی کے تحت لکھا ہے:

''علامہ.....فیصل آبادی اپنی پارٹی سمیت دل وجان کے ساتھ حضرت سومرو صاحب کی مٹھی میں ہیں اور حضرت سومرو صاحب ہی اَب گروہ کے روحِ رواں ہیں، دیکھئے سومرو صاحب کا نظریہ فرماتے ہیں: ''اصل انسان جس کا نام تھا وہ اس کے وجود سے نکل گیا۔ اصل چیز روح تھی، یہ جسم نہیں تھا۔ یہ جسم اگر اصل انسان ہو تو پھر مٹی میں کیوں دباتے ہیں؟ اصل انسان اور چیز تھی، وہ جسم سے نکل گئی تو اسے مٹی میں دفن کر دیا ہے۔ جسم محض روح کی سواری ہے۔ روح کا مکان، اعلیٰ علیین یا اسفل السافلن، اور جسم مٹی میں ہے۔''

[مجلّہ صفدر شمارہ: ۸۵]

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے حفیظ اللہ صاحب آگے لکھتے ہیں:

''فائدہ: مماتیوں سے اہلِ السنۃ والجماعۃ کا اختلاف ہی یہی ہے کہ وہ کہتے ہیں قبر میں کچھ نہیں، یعنی

عذابِ قبر اور راحتِ قبر کا انکار کرتے ہیں۔ان کا دعویٰ یہ ہے کہ سزا اور جزا کا تعلق فقط روح کے ساتھ ہے۔ جب اصل نظریہ اِس پارٹی کا ظاہر ہوگیا تو بات سمجھنا بالکل آسان ہوگئی کہ باقی اختلاف مجالس ذکر اور اہل اللہ سے محبت اور طریقِ سلاسل کے اسباق کی مختلف بہانوں سے تردید اس عقیدے کی تفریعات ہیں۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کے بدعقیدہ لوگوں سے تمام اہلِ السنۃ والجماعۃ کو محفوظ رکھے۔آمین۔‘‘

[مجالس ذکر اللہ کے خلاف سازشیں:۱۲۹]

مذکورہ غلط بیانی اور کتمانِ حق کی اس کتاب میں جھوٹ پر مبنی بہت سی عبارات ہیں چند ایک کا جواب بندہ نے مولانا حفیظ اللہ صاحب کو دو خطوط میں دیا ہے۔ پہلے خط میں پہلے ایڈیشن کی ابتدائی غلط بیانیوں پر تبصرہ کیا اور دوسرے ایڈیشن پر چند مزید عبارتوں پر گرفت سنجیدہ الفاظ میں کی ہے۔ایک نقل آپ کے مطالعے کے لیے بھی ارسال ہے۔

(۲)......آپ کے نام الزام مذکورہ، غلط عقیدہ کی جو نسبت کی گئی ہے۔اگر اس پر آپ کچھ تحریر فرما دیں تو اِن شاء اللہ آپ کی جانب سے وہ غلط بیانی کا جواب ہوجائے گا۔دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام......خادم اہلِ سنت عبدالوحید الحنفی چکوال

جوابی مکتوب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سومرو بنام راقم الحروف

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بخدمت مکرمی جناب مولانا حافظ عبدالوحید حنفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخدوم من کا والا نامہ موصول ہوا۔اول سے آخر تک پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔محترم! مولانا حفیظ اللہ صاحب نے بندہ کی عبارت کو پیش کر کے دلالتِ التزامیہ سے جو مطلب نکالا ہے،اس میں تعجب کی بات نہیں۔اس لیے کہ ہر کوئی اپنے بڑے کی عادات کو اپناتا ہے۔

ٹنڈو الٰہیار میں ایک پاگل عورت رہتی تھی، وہ (ٹنڈو الٰہیار سے) حیدر آباد کی طرف سڑک پر جا رہی ہوتی،کوئی پوچھتا کہ: مریم مائی! کہاں کا ارادہ ہے؟ (تو) وہ کہتی: میں ٹنڈو الٰہیار جا رہی ہوں۔(حالانکہ اس کا رخ مخالف سمت میں ہوتا تھا۔) اس پر مقولہ مشہور ہوگیا: ’’کدھر منہ مائی مریم کا، کدھر ٹنڈو الٰہیار‘‘۔

میرے خیال میں شاید موصوف (مولانا حفیظ اللہ صاحب) کے ہاں یہ عقیدہ مرکوز ہے کہ موت سے روح جسم سے نکلتی ہی نہیں، یا تو ان کے ہاں اصل انسان نام روح و جسد کے مجموعہ کا ہے۔تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ) دنیا میں آنے سے پہلے انسان کا وجود نہیں مانتے۔اس لیے کہ وہاں جسد عنصری کا وجود

نہیں۔تو (پھر یہ سوال ہوگا کہ) عہد الست کس مخلوق سے لیا گیا؟ (حالانکہ) اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: **واذاخذ ربک من بنی آدم**..الخ۔وہاں تو بنی آدم اور ذریت کا ذکر ہے۔جناب آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد اور ذریت تو ’’انسان‘‘ ہیں۔(اگر مولانا موصوف اسے انسان نہیں مانتے تو) ان کے ہاں اس کا کیا نام ہے؟ (اور) جناب موصوف صاحب خود بتائیں گے کہ وہ عہد الست کے وقت کون سی مخلوق تھے؟

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:’’نفسك مطيتك‘‘.اِس (جسمانی) ڈھانچہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سواری بتلایا ہے۔تو موصوف بتائیں کہ سوار کون ہے؟ اور سوار اور سواری میں سے اصل کون ہے؟ یہ تو گدھے کو بھی پتہ ہے کہ اصل سوار ہے۔اس لیے وہ (گدھا) باہر کھڑا ہوجاتا ہے اور سوار اپنے گھر میں چلا جاتا ہے۔

اس عبارت سے ثواب وعذاب کا تعلق جوڑنا یہ کون سی دلالت ہے؟

اور پھر مجھے مماتیت کا عقیدہ رکھنے والوں کی صف میں کھڑا کرکے اپنے سینے کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔فیا اسفی علی ذلك.

میری جناب موصوف صاحب سے اتنی گزارش ہے کہ: خدارا! اپنی بدعات پر اتنا اصرار کہ بڑوں کی طرف اس کی غلط نسبت کریں، یہ اہل ہواء کا کام تو ہوسکتا ہے اہل سلوک کا نہیں۔اسے تو اپنے رب سے فرصت کہاں کہ وہ کسی کے پیچھے پڑے۔

ہمارے حضرت (مولانا قاضی مظہر حسین) رحمہ اللہ نے کبھی بھی اس قسم کی قطع وبرید سے کام نہیں لیا۔بلکہ رضائے الٰہی کو سامنے رکھتے ہوئے ہر خلافِ سنت چیز کو پوری زندگی بیان کرتے اور لکھتے رہے۔لیکن کسی کی ذات پر (برائے ذات) تنقید نہیں کی۔

اصلاح کے لیے ذکر اللہ میں مجالس نہیں بلکہ کان حبب اليه الخلاء والی صفت ہوگی تو نور آئے گا۔ورنہ ریا کاری میں مارا پھرتا رہے گا۔صدف میں موتی کیسے بنتا ہے، ذہن میں رکھ کر آگے بڑھیں۔

مرشد مریدوں کو رنگتا ہے۔مجالس ذکر کی بنیاد مریدوں کی رضا پر چلنا ہے۔جس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔صرف خلفاء کی فہرست بنانے سے شہرت تو بے شک ہوگی۔لیکن یہ رضائے نفس ہے رضائے الٰہی نہیں۔

فإلی الله المشتکیٰ.

حبیب الرحمٰن

۲۳/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ......۳۱/دسمبر ۲۰۱۸ء

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۲

مروان بن حکم اور اُس کے کارنامے

اس کے ثبوت کے لیے آپ جو دلائل لائے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱)......علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

ایک تو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے **الاصابہ فی تمییز الصحابہ الجزء الثالث** ص ۴۷۷، ۴۷۸ میں مروان بن الحکم کو القسم الثانی کے تحت لا کر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، (اور)۔۔۔حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا شمار صغار صحابہ کے اُس طبقہ میں ہوتا ہے جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔[سیدنا مروان بن الحکم:۶۶]

اول: یہ حوالہ اوپر کے اصولوں میں سے کسی اصول پر منطبق نہیں ہوتا، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نہ تو تواتر سے نہ خبر مشہور سے، نہ صحابی سے نہ تابعی سے نہ خود مروان سے اُن کا صحابی ہونا نقل کیا ہے، نہ ہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ صحابی یا تابعی ہیں، تو یہ ثبوت تو اُن پانچ اصولوں سے ہٹ کر نیا اصول ہوا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کے بیان سے بھی کسی کی صحابیت ثابت ہوتی ہے؟

دوم: یہ عجیب بات ہے کہ یہاں تو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں لیکن دوسرے مقامات پر اُن کی صحابیت پر مہر تکذیب ثبت فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: **لاتصح له رویة ولاسماع.[أطراف المسند المعتلی بأطراف المسندالحنبلی :۲۷۱/۵، اتحاف المهرة:۱۷۱/۱۳]لاتثبت له صحبة.[تقریب التهذیب، رقم:۶۵۶۷] مروان لایصح له سماع من النبی ﷺ ولاصحبة،لاصحبة له.[فتح الباری :۳۱۳/۵، تحت حدیث: ۲۷۱۱۔۔ ۳۳۳/۵، حدیث:۲۷۳۱]** نہ تو مروان کا حضور ﷺ کو دیکھنا صحیح ثابت ہے نہ ہی آپ ﷺ کا کوئی فرمان سننا صحیح ثابت ہے، مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہے، مروان کا نہ حضور ﷺ سے سماع صحیح ثابت ہے نہ اس کے لئے صحابیت ثابت ہے۔

لیجیے! اب تو انہوں نے مروان کی صحابیت پر مہر تکذیب ثبت فرما دی ہے، اب آپ کیسے کہہ سکیں گے کہ انہوں نے مروان کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے؟

اصل بات یہ سمجھ آتی ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امکان واحتمال کی بناء پر یا غلبہ ظن کی بناء پر اُن

کو ''**القسم الثانی**'' کے تحت لائے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہوئی ہو، اور محض امکان اور احتمال سے کسی بات کا وقوع تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ امکان میں وقوع اور عدم وقوع دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں، تو اِس سے اُس کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ اِسی ''**القسم الثانی**'' کے تحت قیس بن ابی حازم احمسی کا ذکر بھی کیا ہے جس پر جناب عالی حدیث کلاب حوأب کے مضمون میں بے حد جرح کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، محض اس لئے **القسم الثانی** کے تحت ذکر کیا کہ ایک روایت (ابن مندہ کی) اُس کی رؤیت ثابت کرتی ہے اگر چہ اُس روایت کی سند خود ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں ثابت نہیں، واہی ہے۔ (دیکھیں الاصابۃ ترجمہ قیس) تو احتمال ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مروان کو بھی زیارت حاصل ہوئی ہو، اُسی احتمال کی بناء پر اُن کا ذکر ''**القسم الثانی**'' میں ہوگیا۔

آپ کی بیان کی ہوئی عبارت میں بھی یہ لفظ ہیں کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: **لکن لم أر من جزم بصحبتہ**. مجھے کوئی ایسا محدث معلوم نہیں جس نے مروان کے صحابی ہونے کو یقین سے بیان کیا ہو۔

اور ایسے حضرات کو صحابہ کے ذکر میں شامل کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: **ذکر اولائک فی الصحابة انماهو علی سبیل الالحاق لغلبة الظن علی انه ﷺ راٰهم لتوفر دواعی اصحابه علی احضارهم اولادهم عنده عند ولادتهم لیحنکهم ویسمیهم ویبرک علیهم.** [**الاصابة** :۱/۱۵۵] ''ایسے لوگوں کا صحابہ میں ذکر محض بطور الحاق ہے کیوں کہ غالب گمان یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اِن کو دیکھا ہوگا کیوں کہ عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کی پیدائش پر حضور ﷺ کے پاس حاضر کرتے تاکہ آپ ﷺ تحنیک کردیں اور نام رکھ دیں اور اُن کے لیے برکت کی دعاء کردیں۔''

یعنی اولاد صحابہ کو صحابہ میں بیان کرنا محض احتمالاً اور ظن کی بناء پر ہے کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے پاس ولادت کے وقت لائے گئے ہوں اور آپ ﷺ نے اُن کی تحنیک کی ہو اور دعاء برکت دی ہو وغیرہ۔

اب یہ ثابت کرنا آپ کے ذمہ ہوگا کہ:

(۱)......جناب مروان ہجرت کے دو سال بعد مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔

(۲)......حکم بن ابی العاص اُن کو حضور ﷺ کے پاس لائے اور آپ سے تحنیک کرائی اور مروان کا نام حضور ﷺ نے رکھا اور مروان کے لیے دعاء برکت کی، جب کہ یہ بات پکی ہے کہ مروان کی پیدائش مدینہ طیبہ میں نہیں ہوئی ہے، اُس کی جائے پیدائش سے متعلق محدثین ومؤرخین کے دو قول ہیں کہ مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی، یا طائف میں پیدائش ہوئی، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں جائے پیدائش صرف مکہ مکرمہ بیان کی ہے، یعنی اُن کے نزدیک راجح قول اس بارے میں مکہ مکرمہ کا ہے، اور ظاہر ہے کہ سنہ

۲ھ سے سنہ ۷ھ عمرۃ القضاء کے سفر تک حضور ﷺ مکہ مکرمہ تشریف نہیں لے گئے تو اُن کی پیدائش کے وقت تحنیك اور نام رکھنا اور دعاء برکت کرنا کہاں سے ثابت کیا جاسکے گا جب کہ اُس وقت اُن کے والد بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے؟

سنہ ۷ھ عمرۃ القضاء کے سفر یا سنہ ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں اُن کا پیش کیے جانے اور دیدار کرنے کا ثبوت بھی آپ کے ذمہ ہوگا، عمرۃ القضاء کے سفر میں زیارت اور صحابیت ثابت نہیں ہوسکتی کیوں کہ اُس وقت تو اُن کے والد بھی غیر مسلم تھے، اگر فتح مکہ کے موقع پر والد کے اسلام لانے کے بعد واقعی ایمان کے ساتھ زیارت کرنا ثابت ہوجائے تو پھر مروان کی صحابیت ثابت ہوجائے گی محض امکان اور احتمال سے اُس کی صحابیت ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی، اور حجۃ الوداع میں اُن کے والد کا نام کی تصریح کے ساتھ حج پر حاضر ہونا اور اُن کے ساتھ مروان کا بھی حاضر ہونا سند صحیح سے نہ سہی ضعیف سے ثابت کرلیں تو واقعی مروان صحابی ہوگا ورنہ محض احتمال ہے، اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

رہے حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم تو یقیناً آپ تسلیم کریں گے کہ نہ مروان اِن کے ہم پلہ ہے نہ اِن حضرات کی صحابیت کی طرح مروان کی صحابیت قطعی اور یقینی یا با غلبہ ظن جتنی دلیل سے ثابت ہے، روایاتِ حدیث بکثرت بکھری پڑی ہیں جو اِن حضرات کی صحابیت کا گویا بآواز بلند اعلان کر رہی ہیں، جب کہ مروان کے متعلق ایک حدیث بھی نہیں پیش ہوسکتی جو اُس کی صحابیت کی دلیل بنے، یہ حضرات تو کہتے ہیں:

سمعتُ رسول الله ﷺ (مسنداحمد حديث عبدالله بن الزبير رقم ۱۶۰۹۸) رئيتُ رسولَ الله ﷺ (رقم ۱۶۰۹۹) علّمنی رسول الله ﷺ (حديث الحسن بن علی مسنداحمد رقم ۱۷۱۸) اَذْكُرُمِن رسول الله ﷺ (رقم ۱۷۲۷) علّمنی جدی اوقال النبی ﷺ (حديث الحسين مسند احمد رقم ۱۷۳۵) رئيتُ النبی ﷺ (حديث عبدالله بن جعفر، مسنداحمد رقم ۱۷۴۱) انه سمع رسول الله ﷺ (رقم ۱۷۴۴) غدونا مع رسول الله ﷺ (حديث عبدالله بن عمر، مسنداحمد رقم ۴۴۵۸) سمعتُ رسول الله ﷺ يقول (رقم ۴۴۶۲) رئيتُ رسول الله ﷺ (رقم ۴۴۶۳) مر بی يهودی وانا قائم خلف النبی ﷺ ــــــ فنضح النبی ﷺ فی وجهی من الماء (حديث المسوربن مخرمة مسند احمد رقم ۱۸۹۰۸) فقام النبی ﷺ فسمعتهٗ حين تشهد (رقم ۱۸۹۱۲) فسمعتُ رسول الله ﷺ و هو يخطب الناس فی منبره هذا وانا يومئذ محتلم (رقم ۱۸۹۱۳) سمعتُ رسول الله ﷺ وهو علی المنبر يقول (رقم ۱۸۹۲۶)

اِن روایتوں میں یہ حضرات عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر،

عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یوں دیکھا، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ سکھایا، وغیرہ مگر مروان سے کوئی ایسی روایت نہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں دیکھا، رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا، تو چاہے مروان اِن حضرات کے ہم عصر ہوں مگر اِن کی ہم عصری اُس کو صحابی نہیں بناتی، مروان صلح حدیبیہ کا واقعہ روایت کرتے ہیں مگر بلا شک وہ مرسل روایت ہے، بخاری کی ایک روایت میں صاف ہے کہ وہ اُس واقعہ کو صحابہ سے نقل کرتے ہیں، تو اُس سے اُن کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، آپ جناب جتنا زور لگالیں مروان کی ایسی کوئی صحیح بلکہ ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی روئے زمین کی کتاب سے نہیں لاسکتے کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی حال اور مقام میں دیکھنا یا آپ ﷺ سے کچھ سننا بیان کیا ہو، تو عمر میں مروان اِن حضرات مذکورین کے برابر ہوسکتا ہے مگر یہ برابری اُس کی صحابیت کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں بنتی۔

قاضی صاحب کی عربی دانی:

آپ نے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کی ہے اور اُس کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

علامہ موصوف نے ایک دوسرے مقام پر بھی حضرت مروان کے لیے یہ لکھا ہے کہ:

یقال لہ رویة فان ثبت فلایعرج علی من تکلم فیہ.[ھدی الساری، فتح الباری :۱۴/۴۴۳] کہا جاتا ہے کہ اُن کے لیے رویت ثابت ہے یعنی اُنھیں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہے، اگر یہ ثابت ہوجائے تو اُس کے بارے میں کلام واعتراض کی گنجائش نہیں۔

[سیدنا مروان:۶۹]

خط کشیدہ الفاظ عبارت کا غلط ترجمہ ہے، صحیح ترجمہ اس طرح ہے:

کہا جاتا ہے کہ اُس کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہے تو اگر یہ ثابت ہو تو جس محدث نے مروان میں کلام کیا اُس (کی کلام) پر اعتماد نہیں کیا جاسکے گا۔

اس عبارت سے بھی آپ کا مطلب حاصل نہیں ہوتا بلکہ آپ کے مطلب کے خلاف ہے، اس لئے کہ اول انہوں نے **یُقَالُ** مجہول صیغہ بولا ہے اور یہ صیغہ عام طور پر کمزور قول کے لئے استعمال ہوتا ہے تو علامہ نے اِس کو استعمال کرکے اشارہ کیا کہ مروان کو زیارت حاصل ہونے کا قول کمزور ہے، محسوس نہ کرنا کہ آپ کے مطلب کا **یُقَالُ** اور **قِیْلَ** کام کا ہوتا ہے لیکن مطلب کے خلاف ہو تو آپ بھی مانتے ہیں کہ **یُقَالُ** اور **قِیْلَ** پوری طرح کام کا نہیں ہوتا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

’’**یُقَالُ** افواہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔‘‘ [سیدنا مروان:۳۸۷] (یعنی جس کی کوئی حقیقت نہیں

ہوتی، مرتب)

دوسرے **فَــاِنْ ثبـــت** میں اِنْ استعمال کیا اور اِن شک اور فرض وتقدیر کے موقع میں استعمال ہوتا ہے اِس سے بھی اشارہ کیا کہ مروان کو زیارت حاصل ہونے کی بات مشکوک اور غیر یقینی ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

''جہاں تک حضرت مروان پر صحابی کی تعریف کے اطلاق کا تعلق ہے تو حافظ ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) نے **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (الجزء الثالث ص ۴۲۵ تا ۴۲۹)** میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م۸۵۲ھ) نے **الاصابة فی تمییز الصحابة (الجزء الثالث ص ۴۷۷ تا ۴۷۸)** میں **القسم الثانی** کے تحت لا کر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔''

[سیدنا مروان بن الحکم:۶۶]

جناب! آپ کو بھی تسلیم ہوگا کہ صحابیت کی تعریف میں کم از کم زیارت ثابت ہونا لازمی بات ہے جب کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**ولم یره (الاستیعاب رقم ۲۳۷۰)** مروان کو حضور ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی ہے۔

وماظنه رأی رسولَ الله ﷺ لانه وُلدبالطائف ولم یزل بهاحتی ولی عثمان (التمهیدلمافی المؤطامن المعانی والاسانید :۱۷/۱۹۰) میرے خیال میں مروان نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کیوں کہ وہ طائف میں پیدا ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک طائف میں رہا ہے۔

تو علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت نہیں کی ہے بلکہ مہر تکذیب ثبت کی ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

''امام شمس الدین ذہبی (م۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: **وقیل لــه روية وذلک محتمل [سیر اعلام النبلاء الجزء الثالث: ۴۷۶ تحت کبار التابعین)** اور کہا گیا ہے کہ حضرت مروان کے لئے احتمالاً رویت ثابت ہے۔'' [سیدنا مروان:۶۸]

اِس عبارت کے ترجمہ میں بھی آپ مغالطہ دے گئے ہیں صحیح ترجمہ اس طرح ہے:

اور کہا گیا کہ مروان کو زیارت حاصل ہوئی ہے اور اِس کا احتمال ہے۔ اِس عبارت میں امام ذہبی

نے **قیل** سے اُن کو زیارت حاصل ہونے کا قول ذکر کیا ہے، یہ کہنے والا کون ہے؟ معلوم نہیں، اور یہ اِس قول کی کمزوری کی علامت ہے، (خود آپ بھی **قیل** والے قول کو کمزور مانتے ہیں) اور ذہبی نے فرمایا کہ احتمال ہے یعنی مروان کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی ہو ممکن ہے، مگر امکان سے وقوع تو ثابت نہیں ہوتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ کیا علامہ ذہبی رحمہ اللہ وقوع مانتے ہیں یا عدمِ وقوع؟ اِس مذکورہ عبارت میں بات مبہم چھوڑ دی گئی، صاف عبارت اور امام ذہبی کا واضح اعلان سن لیجیے! **قال البخاری لم یر النبی ﷺ قلتُ هو تابعی له تلک الافاعیل.** [المغنی فی الضعفاء:۲/۶۵۱] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مروان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل نہیں ہوئی، میں (ذہبی) کہتا ہوں (واقعی ایسا ہے) وہ (صحابی نہیں ہے) تابعی ہے اُس کے بہت سے برے کام تھے۔

قال البخاری لم یر النبی ﷺ قلتُ روی عن بسرة وعن عثمان وله اعمال موبقة نسأل الله السلامة رمٰی طلحة بسهم وفعل مافعل. [**میزان الاعتدال**:۴/۸۹] امام بخاری نے فرمایا کہ: مروان نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے، میں (ذہبی) کہتا ہوں اُس نے حضرت بسرہ اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور اُس کے کئی ہلاک کرنے والے کام تھے، ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی مانگتے ہیں، مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا (جس سے وہ شہید ہوگئے) اور وہ برے کام کئے جو کئے۔

دیکھیں وہ اِن عبارتوں میں فرمارہے ہیں کہ:

(۱)......مروان کو حضور ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی۔

(۲)......مروان تابعی ہے (جب کہ جو مسلمان حضور ﷺ کی زیارت کرلے وہ تابعی نہیں ہوتا صحابی ہوتا ہے)

(۳)......مروان کی کئی ایسی حرکتیں اور کرتوت ہیں جو ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔

(۴)......مروان نے صحابی رسول حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مار کر شہید کردیا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کی یہ ساری باتیں آپ کی کتاب کے مضامین پر مہر تکذیب ثبت کررہی ہیں۔

علامہ احمد بن محمد قسطلانیؒ (م۹۲۳ھ) اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

''مؤلف النبر اس علامہ عبدالعزیز پرہاروی (م۱۲۳۹ھ) شارح بخاری علامہ قسطلانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: **مروان ولد فی حیاة رسول الله ﷺ لم یسمع منه (الناهیة عن طعن امیر المؤمنین معاویة رضی الله عنه)** مروان نبی اکرم ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے لیکن آپ ﷺ سے کچھ سنا نہیں۔ [سیدنا مروان بن الحکم:۶۹]

جناب عالی!

اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ مروان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہو گئی، اور وہ صحابی ہیں، لیجیے! آپ کو براہ راست علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی کتاب سے دکھاتے ہیں کہ: مروان صحابی نہیں ہے، اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف نہیں ہوا، وہ فرماتے ہیں: **ولد سنة اثنتين من الهجرة ولم یر النبی ﷺ.** [شرح القسطلانی للبخاری:۶/۴۰۴] **ولایثبتُ له صحبة.** [۱۳۰/۳] **ولاصحبة له.** [۴۳۱/۴]

مروان سنہ ۲/ ہجری میں پیدا ہوا لیکن اُس نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے۔۔۔اُس کی صحابیت ثابت نہیں ہے۔۔۔اُس کو صحابیت حاصل نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ بغیر رویت کوئی صحابی نہیں بنتا، تو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے نزدیک مروان صحابی نہیں ہے۔

علامہ ابن حسن دیار بکری رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

''علامہ ابن حسن دیار بکری (م ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ: **وکان مروان قدلحق النبی ﷺ.** [تاریخ خمیس:۳۰۸/۲] حضرت مروان نے نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی ہے۔[سیدنا مروان:۷۰]

جناب عالی! علامہ حسین بن محمد ابن حسن (م ۹۶۶ھ) اور حضور ﷺ کے دور کے درمیان آٹھ صدیوں کا فاصلہ ہے، اِس فاصلہ کو پُر کرتے ہوئے مروان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہونے کی سند پیش فرمایئے، ابن حسن نہ صحابی ہے نہ تابعی ہے، اتنے فاصلے کے ہوتے ابن حسن دیار بکری کی گواہی کی پوزیشن کیا ہو سکتی ہے؟ صحابیت کے لیے بیان کیے ہوئے اُصولوں میں سے کس اصول پر علامہ ابن حسن رحمہ اللہ کا حوالہ منطبق ہوتا ہے؟

علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ نے علامہ کمال الدین دمیری شافعی (۸۰۸ھ) رحمہ اللہ کا حوالہ بھی پیش کیا ہے کہ وہ حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں: **وکان قدلحق النبی ﷺ وھو صبیّ.** [حیوۃ الحیوان الکبری :۹۳/۱] مروان جب بچے تھے حضور ﷺ سے ملے تھے۔

جی جناب! اِس حوالے کا جواب بھی وہی ہے، علامہ کمال الدین اور حضور ﷺ کے درمیان سات صدیوں کا فاصلہ ہے، نہ اِس کی کوئی سند ہے، نہ علامہ دمیری صحابی یا تابعی ہیں، تو اِس سے کونسے اُصول کے تحت مروان کی صحابیت ثابت ہو رہی ہے؟

پھر علامہ کمال الدین نے کچھ اور بھی ذکر کیا ہے:

وھو قاتل طلحة احدالعشرة رضی الله تعالی عنهم و کان کاتب السرلعثمان رضی الله عنه وبسببه جری علیه ماجریٰ. [۹۴/۱] مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب السر تھا، اور اِسی مروان کے سبب ہی حضرت عثمان پر وہ حالات آئے جو آئے ہیں۔

جناب اِن باتوں کے منکر ہیں اور اِن کو صحیح ثابت نہیں مانتے، اور دمیری میں اندرونی بغض مانتے ہیں، تو ہم بھی بجا طور پر کہنے کے حقدار ہیں کہ اِن باتوں کی طرح اُن کی یہ بات بھی صحیح ثابت نہیں کہ مروان کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے، جس طرح آپ کی غیر مسلّم باتوں کے لئے صحیح ثبوت چاہیے ایسے ہی حضور ﷺ سے مروان کی ملاقات کے لئے بھی باسند صحیح ثبوت چاہیے؟ مگر اتنی بڑی کتاب لکھ کر بھی وہ ثبوت آپ نہیں دے سکے اور اندازہ ہے کہ ثبوت دے بھی نہ سکیں گے۔ اِن شاءاللہ!

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

''امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: **ومروان من اقران ابن الزبیر فهو قدأدرک النبی ﷺ ویمکن أنه راٰه عام فتح مکة أوعام حجة الوداع ....وایضاً فقد یکون أبوه حج مع النّاس فراٰه فی حجة الوداع ولعلّه قدم إلی المدینة فلایمکن الجزم بنفی رویته للنبی ﷺ.** [**منهاج السنة، الجزء الثالث**:۱۸۹]

حضرت مروان حضرت عبداللہ بن زبیر کے طبقے میں سے ہیں، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پایا ہے، یہ ممکن ہے کہ اُنہیں فتح مکہ کے سال یا حجۃ الوداع کے سال شرف رویت حاصل ہوا ہو۔۔۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت مروان کے والد حضرت حکم نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا تو اس موقع پر حضرت مروان نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہوگا، اور شاید وہ اس دوران مدینہ طیبہ بھی گئے ہوں، پس یقین کے ساتھ اُن سے نبی اکرم ﷺ کی رویت کی نفی نہیں کی جاسکتی، جب کہ صحیح بخاری میں باقاعدہ تصریح پائی جاتی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا تھا جن میں سے ایک بچے کو آپ نے اپنے ساتھ آگے سوار کرلیا اور ایک کو پیچھے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، **کتاب المناسک، باب استقبال الحاج القادمین**)''[سیدنا مروان:۶۸]

جناب نے اس عبارت کے ترجمہ میں بھی کافی غلطیاں کی ہیں اور اپنی طرف سے بطور وضاحت کچھ زائد بھی گھسیڑ دیا ہے، ضروری ہے کہ ہم صحیح ترجمہ پیش کریں:

''اور مروان عبداللہ بن زبیر کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں، پس اُس نے حضور ﷺ کو (یعنی آپ کے زمانے کو) پایا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ مروان نے حضور ﷺ کو فتح مکہ والے سال یا حجۃ الوداع کے سال دیکھا ہو۔۔۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کے والد نے لوگوں کے ساتھ حج کیا ہوگا تو اُس نے حضور ﷺ کو حجۃ الوداع میں دیکھا ہوگا اور شاید کہ مدینہ طیبہ بھی آیا ہو، لہٰذا مروان کے حضور ﷺ کو دیکھنے کی نفی پر یقین نہیں ہوسکتا۔''

اس عبارت میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ساری باتیں محض امکان کی حد تک بیان کی ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے اور وہ بھی ممکن ہے، یوں بھی ہوا ہوگا اور یوں بھی ہوا ہوگا، تو اِس سے محض امکان ثابت ہے، اور امکان میں وقوع وعدم وقوع دونوں ہوسکتے ہیں، تو مروان کی حضور ﷺ سے ملاقات اور رویت اور حضرت حکم بن ابی العاص کا حجۃ الوداع کے موقع پر حج کرنا وغیرہ وغیرہ سب امکان کی حد تک بیان ہوا ہے، نہ کہ وقوع اور تحقق کے انداز میں، یہاں خاص طور پر اس جملے پر بھی غور فرمالیں!

وایضاً فقد یکون ابوہ حج مع النّاس. اُس کے والد حکم نے بھی لوگوں کے ساتھ حج کیا ہوگا۔

یہ نہیں فرمایا کہ حج کیا ہے، بلکہ فرمایا کہ کیا ہوگا، تو حکم کا حجۃ الوداع کے موقع میں حج پر آنا بھی غیر یقینی اور ممکن حد تک ہے. (**کان ابوہ حج** لفظ نہیں ہیں **فقد یکون ابوہ حج** لفظ ہیں) تو مروان کا اُس موقع میں حضور ﷺ کی زیارت کرنا کونسا یقینی ہوا؟

تو بات وہیں کی وہیں رہ گئی، جناب کا دعوی کہ ''مروان کے صحابی ہونے میں کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں'' کیسے ثابت ہوا؟

فائدہ: آپ نے بخاری کتاب المناسک کا حوالہ دیا ہے، کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ شریف تشریف لائے بنو عبدالمطلب میں سے چھوٹے بچوں نے حضور ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ نے ایک کو آگے اور ایک کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔

بخاری شریف میں ہی ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے دن کا ہے اور آپ ﷺ نے آگے عبداللہ بن جعفر کو اور پیچھے قثم بن العباس کو بٹھایا تھا، اِس میں مروان بن حکم کا لایا جانا اور اُس کا حضور ﷺ کی زیارت کرنا کون سے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے؟ محض یہ کہہ دینا کہ: ''ظاہر ہے کہ دیگر قبائل کے بچے بھی استقبال میں شریک تھے، اس موقع پر حضرت عثمان کے چچازاد بھائی کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے؟'' [ص ۶۸] مروان کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، کیوں کہ اِس سے محض امکان ہی ثابت ہوا، وقوع تو ثابت نہیں ہوا، اور صحابیت کے لئے امکان نہیں بلکہ وقوع کا ثبوت لازمی ہے، آپ پانچ اصولوں کو سامنے رکھ کر ہی بات کیجیے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں:

"علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) صاف طور پر لکھتے ہیں کہ: **ھو صحابی عند طائفة كثيرة لانه ولد فی حیات النبی ﷺ**. [**البداية والنهاية**: ۲۵۷/۸] وہ (یعنی مروان) کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں، کیوں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے تھے۔

امام ابن کثیر نے وضاحت کردی ہے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک حضرت مروان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ، جب کہ بعض کے نزدیک اُن کی صحابیت میں اختلاف ہے، رؤیت میں نہیں کیوں کہ یہ صحیح ہے کہ اُنہیں صحبت نبوی میسر نہیں ہوئی۔" [سیدنا مروان بن الحکم: ۷۰]

جناب نے **طائفة كثيرة** کا ترجمہ "کثیر جماعت" تو درست کیا ہے لیکن اُس کی وضاحت میں "اکثر لوگوں کے نزدیک" کہہ کر غلطی کی ہے، کثیر صیغہ صفت کو اکثر صیغہ اسم تفضیل سے تبدیل کر دیا، کثیر کا مطلب یہ ہے کہ کافی لوگوں نے اُس کو صحابی بتایا، (جب کہ کافی لوگ اُس کی صحابیت نہ ماننے والے بھی ہیں، اور جن کافی لوگوں نے اُس کو صحابی بتایا اُن کی نشان دہی بھی لازمی ہے نا معلوم کون لوگ ہیں؟ اگر صحابہ یا تابعین ہیں تو صحابیت ثابت ہوگی ورنہ نہیں ، اور بالکل نہیں) اور اکثر کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ تعداد اُس کو صحابی بتاتی ہے اور بہت کم تعداد ہے جو اُس کو صحابی نہیں مانتے ، یہ بالکل غلط مفہوم ہے، آگے ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ!

یہ بھی آپ صاحب نے غلط ترجمانی کی ہے کہ (ابن کثیر کے نزدیک) اُس کی صحابیت میں اختلاف ہے مگر رؤیت (حضور ﷺ کا دیدار ہونے) میں اختلاف نہیں یعنی گویا کہ سب کا اتفاق ہے کہ اُس کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی ہے، یہ امام ابن کثیر کی بات نہیں ہے یہ آپ کی اپنی ترجمانی ہے جس سے امام ابن کثیر بری ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ رویت ہی صحابیت کا مدار ہے، اگر رویت میں اتفاق ہے تو صحابیت میں اختلاف کیسے؟ اور اگر صحابیت میں اختلاف ہے تو رویت میں اتفاق کیسے ہے؟ اب اصل بات کی طرف آتے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وھو صحابی عندطائفة كثيرة لانه ولد فی حياة النبی ﷺ وروی عنه فی حديث صلح الحديبية وفی رواية فی صحيح البخاری عن مروان ومسوربن مخرمة عن جماعة من الصحابة الحديث بطوله و روی مروان عن عمروعثمان و كان كاتبه ای كان كاتب عثمان ...... قال الواقدی ومحمدبن سعد ادرك النبی ﷺ ولم يحفظ عنه شيئاً، و كان عمره ثمان سنين حين

توفی النبیﷺ وذکرہ ابن سعد فی الطبقۃ الاولی من التابعین وقد کان مروان من سادات قریش وفضلائھا......وقد کان عثمان بن عفان یکرمہ ویعظمہ وکان کاتب الحکم بین یدیہ ومن تحت راسہ جرت قضیۃ الدار وبسببہ حصر عثمان بن عفان فیھاالخ.'' [البدایۃ:۸/۲۵۷]

(ترجمہ) بکثرت جماعت کے نزدیک مروان صحابی ہے کیوں کہ نبی کریمﷺ کی زندگی میں پیدا ہوا، اور آپﷺ سے صلح حدیبیہ کی حدیث روایت کی ہے، (لیکن) صحیح بخاری میں کی روایت میں وہ حدیث مروان ومسور بن مخرمہ سے **عن جماعۃ من الصحابۃ** مروی ہے، مروان حضرت عمروعثمان سے روایت کرتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب تھا......واقدی اور محمد بن سعد کہتے ہیں کہ مروان نے حضورﷺ (کے زمانہ) کو پایا ہے لیکن حضورﷺ سے کچھ یاد نہیں کیا، جب حضورﷺ کی وفات ہوئی مروان آٹھ سال کی عمر کا تھا، ابن سعد نے اُس کو تابعین کے طبقہ اولی میں ذکر کیا ہے، اور مروان قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھا......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس کی عزت اور تعظیم کرتے تھے، اور اُن کے سامنے مروان حکم لکھتا تھا، اسی کے سر کے نیچے سے گھر کا قضیہ شروع ہوا، اسی کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کیا گیا۔ (اور شہید کر دیئے گئے)

اس عبارت میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے وہ باتیں بھی بیان کیں جن سے آپ جناب کو اختلاف ہے، مروان کی صحابیت کے بارے میں دو قول ذکر کئے، اول کثیر جماعت کا جو اُس کو صحابی بتاتے ہیں، مگر اُن کی تعیین نہیں ہے کہ اُس جماعت میں کن کن کے نام آتے ہیں؟ وہ صحابہ یا تابعین ہیں تو تب ہی صحابیت ثابت ہو گی ورنہ نہیں، آپ پر ابن کثیر کی اس تحقیق کی تحقیق لازم ہے، دوسرے ابن سعد سے نقل کیا کہ وہ اُس کو تابعین کے طبقہ اولی میں سے سمجھتے ہیں، لیکن اگرچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں اُس کی صحابیت کے قول کا بظاہر وزن بڑھایا ہے کہ طائفہ کثیرہ کا قول بیان کیا ہے، مگر خود اپنی تحقیق اور رائے پیش نہیں کی، تو خود ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ ہم نے کافی جستجو کی تو ہمارے مطالعہ میں یہ آیا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کی صحابیت کے قائل نہیں ہیں چنانچہ ابن کثیر کی ایک کتاب ہے **جامع المسانید والسنن**، اُس کتاب میں مروان بن الحکم کی مسند روایات ذکر کرنے کے لئے عنوان دے کر فرماتے ہیں:

ومات رسول اللہﷺ ولم یرہ. [**جامع المسانید والسنن** :۷/۳۷۲] رسول اللہﷺ کی وفات تک مروان کو حضورﷺ کی زیارت حاصل نہیں ہو سکی۔

اور ظاہر ہے کہ صحابی وہی بنتا ہے جس کو ایمان کی حالت میں رسول اللہﷺ کی زیارت حاصل ہوئی ہو، تو مروان کو زیارت حاصل نہیں ہوئی تو وہ صحابی نہ بنا، لیجیے! خود امام ابن کثیر بھی ابن سعد رحمہ اللہ کے قول کو لے رہے ہیں کثیر جماعت کے قول کو ترجیح نہیں دے رہے، لہٰذا وہ قول اُن کے نزدیک بھی مرجوح ہوا۔

(جاری ہے۔) ☆☆☆☆

ابن احمد قسط:۶

مفتی محمد زاہد صاحب فیصل آبادی......افکار و نظریات

مشاجرات و عدالتِ صحابہ......اور......اکابر علماءِ دیوبند کی تصریحات

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ العزیز:

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

’’دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ دینِ محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دینِ اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو اس کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، چنانچہ تمام فرقِ باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہدفِ تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغ دار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلو تہی کرنے کے الزامات دھرے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری اور اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ’’معیار‘‘ قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی، آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ، انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی......الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب و سنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے ......جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفے کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے ’’تحقیق‘‘ کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسوید اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین بیزار کر دیا جائے اور ہر ایرے غیرے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے، جنہیں نہ علم، نہ عقل، نہ فہم، نہ فراست۔ اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے، الامان والحفیظ۔

کہا جاتا ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی (جیسا مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کا طرز وطریق ہے۔[ناقل]) بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود ہے، ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کردیا ہے، افسوس کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کردیا گیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہوجاتا کہ صرف اتنا عذر طعن صحابہ کی وعید سے بچنے کے لیے کافی نہیں اور نہ وہ اتنی بات کہہ کر بری الذمہ ہوسکتے ہیں۔......کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہوگئے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔...... امت کے کسی فرد کا، خواہ وہ اپنی جگہ مفکرِ دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلاتا ہو، ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے،......اہل حق وتحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ......''میں یہ سمجھا ہوں''......کی بر خود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں خیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں، اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے فوراً بعد حق کی طرف پلٹ آئیں۔'' [بصائر وعبر: ۱/۱۵۴ تا ۱۶۲، مکتبہ بینات، کراچی، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء]

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بہر حال ان روایتوں سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ان چند صحابہ میں جو اختلاف تھا، وہ فرقہ بندی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ اختلافِ رائے کی حیثیت رکھتا تھا، اس بنا پر سوادِ اعظم نے ان خانہ جنگیوں کو ''خطاءِ اجتہادی'' سے تعبیر کیا''۔[اہل السنۃ والجماعۃ: ۲۶، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۹۷ء]

مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

شیخ التفسیر والحدیث، عظیم متکلم علامہ محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''عقائد الاسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاعات پیش آئے، جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا، ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے، اور ہویٰ وہوس اور حبِ جاہ اور حبِ ریاست اور طلبِ رفعت اور منزلت سے اس کو دُور سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ نفسِ امّارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں، اور ان بزرگوں کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہویٰ وہوس اور حرص اور کینہ اور حبِ مال اور حبِ جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہوچکے تھے، اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاراں ہزار جنید اور ہزاراں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنیٰ صحابی کے نقشِ پا کو نہیں پہنچ سکتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے نفسِ امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہوچکے تھے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشر اور انسان تھے، ملائکہ اور انبیاء نہ تھے،

جو غلطی سے معصوم رہتے، بمقتضائے بشریت اجتہادی خطا کا واقع ہو جانا شانِ تقویٰ اور ورع کے منافی نہیں......دونوں گروہ متقی تھے، دونوں جنت میں جائیں گے، ان کی صلح بھی حق کے لیے تھی، اور ان کی لڑائی بھی حق کے لیے تھی، ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا، پس جو مصیب ہے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو مخطی ہے اس کے لیے ایک اجر ہے، بہر حال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دُور ہے، درجات اور اجر میں فرق ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ حق ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے، لیکن یہ خطا خطاءِ اجتہادی تھی، جس پر طعن اور ملامت ہرگز ہرگز جائز نہیں، چہ جائیکہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے......خلاصہ کلام یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف استحقاقِ خلافت میں نہ تھا......اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی نزاعات اور مشاجرات کے متعلق بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کریں، جہاں تک ممکن ہو زبان سے بھی ان کا ذکر نہ کریں اور اس آیت پر عمل کریں:

''**تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ**'' یہ ایک جماعت تھی، جو گزر گئی، اس کے لیے اس کا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا۔

......معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کی خطا کو زبان پر بھی نہ لانا چاہیے، خیر ہی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا چاہیے، جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا دست و گریبان ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے لیکن دونوں کو بزرگ سمجھنا فرض ہے اور ان کی غلطی کی تحقیق میں پڑنا کہ کس کا قصور تھا، یہ سراسر ناجائز ہے اور قصورِ عقل کی دلیل ہے، ایک بھائی اپنے ایک بھائی کے ساتھ جو معاملہ کیا اس میں ہم جیسے نابکار اور نانہجار غلاموں اور خادموں کو لب کشائی کی اجازت نہیں، اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں آپس میں بھی بھائی تھے اور دونوں ہی نبی کریم علیہ الصلاۃ و التسلیم کے بھی بھائی تھے، ایک (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اگر برادرِ نسبی تھے تو دوسرے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) برادرِ نسبتی تھے، یعنی ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے، پس جس طرح حضرت موسی و ہارون علیہما السلام میں علاقۂ اخوت تھا، اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں بھی علاقۂ اخوت تھا، ہم غلاموں کے لیے یہ روا نہیں کہ اس تحقیق میں پڑیں ک دونوں میں کیوں لڑائی ہوئی اور طرفین میں سے کس کا قصور تھا اور نہ اس کی ضرورت ہے، لایعنی عمل میں شرعاً سکوت لازم اور ضروری ہے......اہل سیر اور اہلِ تاریخ نے مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جو واقعات نقل کیے ہیں اگر ان کی صحت تسلیم کر لی جائے تو غایت سے غایت وہ مفید ظن ہوں گے اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ سے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مناقب ثابت ہیں، وہ سب قطعی اور یقینی ہیں اور محض تاریخی خبروں کی بنا پر صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم پر لعن وطعن کرنا اور نصوص قطعیہ سے اعراض کرنا بے دینی ہے، پس اہل ایمان کو چاہیے کہ تاریخی قصوں اورافسانوں کی بناپر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدگمان ہوکر اپنا ایمان خراب نہ کریں......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب ثقات اور عدول ہیں اوران کی تمام روایات مقبول ہیں، عہدِ تابعین سے لے کراس وقت تک امت کے علماء نے دیگر رواۃِ حدیث کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جرح وتعدیل پر کبھی بحث نہیں کی اور بلاکسی تحقیق کے اور بلاکسی تنقید کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کوقبول کیا۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عادل اور ثقہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔...... نیز اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اوران کی روایت کی صحت اور وثاقت مسلم نہ ہوتو دین اور شریعت عہدِ نبوت میں منحصر ہوکر رہ جائے گی، یعنی جب تک حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود رہے تو دینِ اسلام اور شریعت موجود رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دین اور شریعت سب ختم ہوگئی، اس لیے کہ دینِ اسلام اور شریعت کے راوی سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں، قرآنِ کریم کے نزول کا علم ہم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

[عقائدالاسلام، حصہ اول: ۱۶۴، ادارہ اسلامیات، لاہور]

مضمون سے ظاہر ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالی نے یہ مکتوباتِ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالی کی روشنی میں یہ تفصیلات تحریر فرمائی ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی نے عقائدالاسلام (حصہ دوم، ص۴۲۳) پر بحوالہ احیاء العلوم واتحاف شرح احیاء العلوم اور ''خلافتِ راشدہ'' (ص: ۱۸۳) پر بحوالہ مکتوباتِ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی نے یہی بحث فرمائی ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔

نیز مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث کے بعد بعنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' ارقام پرداز ہیں:

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف ہوا، ان میں سب سے زیادہ اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور نوبت جنگ وجدال اور قتل وقتال کی آئی، امام غزالی قدس سرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ خلافت کے بارہ میں نہ تھی، بلکہ اس کا تعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص سے تھا، اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات اور محاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور اس بارہ میں زبان سے گستاخی کا کوئی حرف نہ نکالا جائے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ سابقین اولین میں سے نہیں، متاخر الاسلام ہیں......مگر اخلاص کے ساتھ اسلام لائے اور اس زمرہ میں داخل ہوئے جن سے اللہ تعالی نے وعدہ حسنیٰ کا فرمایا ہے، کما قال تعالی:

''لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ

أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ''

اور غزوۂ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور کچھ دنوں کتابتِ وحی کی خدمت ان کے سپرد رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دمشق کے والی اور گورنر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر عہدِ خلافت تک برابر ملکِ شام کے والی اور گورنر رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی نوبت آئی، جس کا نام جنگِ صفین ہے، پھر ۴۱ھ میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت ان کے حوالے کردی اور خود خلافت سے دستبردار ہوگئے، سب مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمانوں کا باہمی تشتت اور افتراق اور خانہ جنگی ختم ہوئی اور تمام مسلمان ایک امیر پر متفق ہوگئے، اس لیے اس سال کا نام عام الجماعۃ ہوا اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور تفویضِ خلافت کے بعد بیس سال تمام بلادِ اسلامیہ کے بادشاہِ عادل رہے، بیس سال شام کے گورنر رہے اور بیس سال تمام بلادِ اسلامیہ کے بادشاہ اور فرمانروا رہے اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، شہر دمشق میں بعمر ۷۸ سال ۶۰ھ میں وفات پائی، ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرہن مبارک اور کچھ موئے مبارک اور کچھ ناخن مبارک تھے، بوقتِ انتقال یہ وصیت کی کہ اسی قمیص میں مجھ کو کفن دینا اور موئے مبارک اور ناخن مبارک میری آنکھوں میں اور منہ میں رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کردینا......حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مدارج اور مراتب میں متفاوت ہیں، مگر تعظیم وتوقیر سب کی فرض ہے اور تنقیص کسی کی جائز نہیں''۔

[خلافتِ راشدہ: ۱۹۳، ۱۹۴، ط: المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور]

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ انشاء پرداز ہے:

''اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول'' (بلا استثناء) عادل ومتقن ہیں۔ وہ ان کے تخطیہ وتنقیص کو فسق جانتے ہیں اور اس کے مرتکب کو لائقِ تعزیر سمجھتے ہیں، غور کیا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عدالت واتقان یہ تقویٰ باطن، یہ راضی ومرضی ہونا اور یہ نصِ حدیث نبوی ان کا زیرِ حمایت نبوی ہونا کہ کوئی میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برائی یا سب وشتم یا لعن طعن سے یاد نہ کرے......اس مرحلہ پر پہنچ کر اہل السنۃ والجماعۃ رافضیت اور خارجیت دونوں سے علیحدہ ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں سارے صحابہ بلا استثناء نہ عدول ومتقن ہیں، نہ پارسا اور نہ سب کی محبت بجز ان کے چند معتقد فیہ صحابہ کے ضروری ہے......حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کسوٹی ہو کر امت کے حق میں ناقد ہیں نہ کہ منقود، وہ امت کے بہتر (۷۲) فرقوں کے حق وباطل پہچاننے کا معیار ہیں نہ کہ فرقے یا پارٹیاں ان کے حق میں معیار ہیں، اس لیے یہ عظمائے امت اور محبوب القلب افراد مذکورہ حقیقت کی رُو سے تنقید سے بلاشبہ

بالاتر ہیں اور بالاتر سمجھنے کی پہلی کڑی ان کی بلا استثناء محبت وعقیدت اور مطاعیت ہوگی نہ کہ بنام تنقید ان کی تنقیص اور تغلیط، البتہ ان کے مختلف اقوال میں ترجیح وانتخاب کا حق علمائے مبصرین کو ہوسکتا ہے، جو سندِ متصل کے ساتھ بذریعۂ درس وتدریس علم وعمل اور اخلاق حاصل کیے ہوئے ہوں جیسے خود احادیثِ متعارضہ میں آئمۂ فقہ وحدیث کو ترجیح وانتخاب کا حق ہے لیکن اس کا نام تنقید نہیں اور یہ حق بھی علمائے مبصرین کو ہوگا نہ کہ ہرکس وناکس کو، پس ان کے کسی شرعی یا اجتہادی قول کو ان میں سے کسی دوسرے کے قول پر ترجیح دینا اور ہے اور مرجوح قول کو غلط یا نقصان آمیز کہنا اور ہے......اس روگ سے اگر کوئی طبقہ بری اور خالی ہے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کا طبقہ ہے، جنہیں حق تعالیٰ نے بطفیل صحبت ومعیتِ اکابر واسلاف زیغِ قلب اور کج روی سے بچا کر راستیٔ فہم، سلامت روی اور استقامتِ ذہنی کا جوہر عطا فرمایا اور وہ بلا استثناء اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سچا اور حق جان کر اگر متعاض اقوال میں ضرورت سمجھتے ہیں تو ان میں قواعدِ شرعیہ کے تحت ترجیح وانتخاب کرتے ہیں مگر ان کے کسی بھی قول میں نقص نکالنے کی جرات نہیں کرتے۔''

[علماءِ دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: ۷۸تا۸۰، ادارہ اسلامیات، لاہور]

مزید اکابر علماءِ دیوبند کا مسلکی معتدل مزاج بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''علماءِ دیوبند اس عظمت وجلالت کے معیار سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت سمجھیں، اور کسی کو معاذ اللہ لائقِ عداوت، کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوکر اطراءِ مادح پر اتر آئیں اور کسی کی مذمت میں غلو کر کے تبرائی بن جائیں، یا تو انہیں سب وشتم کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھر ان میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آجائیں، انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتی کہ ان میں سے بعض میں حلولِ خداوندی ماننے لگیں، پس علماءِ دیوبند کے مسلک پر یہ سب حضرات مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں، مگر نبی یا خدا نہیں، بلکہ بشریت کی صفات سے متصف لوازمِ بشریت اور ضروریاتِ بشری کے پابند ہیں، مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں، جو عام بشر تو بجائے خود ہیں پوری امت کے اولیاء بھی ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے، یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں علماءِ دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے، ان کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شرفِ صحابیت اور صحابیت کی برگزیدگی میں یکساں ہیں، البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے، تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے، لیکن یہ فرق چونکہ نفسِ صحابیت کا فرق نہیں، اس لیے اس سے نفسِ صحابیت کی محبت وعقیدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، پس اس فرق میں الصحابة كلهم عدول (صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں) کا اصول کارفرما ہے، جو اس دائرہ میں علماءِ دیوبند کے مسلک کا جو حقیقی معنی میں مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ ہے کا سنگِ بنیاد ہے۔......پس حق وباطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور ان کی دیانت وتقوائے باطن کا اعتراف اور ان کی نسبتِ قلبی کا اذعان واعتقاد ہے، اس لیے جو

فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدول ومتقن مانتا ہے، وہی فرقہ حسبِ ارشاد نبوی فرقۂ حقہ ہے، اور وہ الحمد للہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں جن کے سچے علمبردار علماءِ دیوبند ہیں، اور جو فرقہ ان کے بارہ میں بدگمانی یا بدزبانی یا بے ادبی کا شکار ہے، وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے، کیونکہ شریعت کے باب میں ان کے بارے میں کسی ادنی دغل وفصل کا تو ہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دینے کے مترادف ہے، اگر وہ بھی معاذ اللہ دین کے بارہ میں راہ سے ادھر ادھر ہٹے ہوئے تھے، تو بعد والوں کے لیے راہِ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پوری امت اول سے آخر تک نا قابلِ اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے حسبِ مسلکِ علماءِ دیوبند جہاں وہ منفرداً اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی ونقی اور صفی ووفی ہیں، وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی ان ہی کے اتباع میں منحصر ہے......علماءِ دیوبند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیشِ نظر انہیں سرتاجِ اولیاء مانتے ہیں، مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں، البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں، جو ولایت کا انتہائی مقام ہے، جس میں تقویٰ کی انتہاء پر بشاشتِ ایمان جوہر نفس ہو جاتی ہے اور سنت اللہ کے مطابق صدورِ معصیت عادتاً باقی نہیں رہتا، اس مقام کے تقاضا سے ان کا تقوائے باطن ہمہ وقت ان کے مذکّر تھا۔ ....ایمان وتقویٰ ان کے قلوب میں محبوب ومزین اور کفر وفسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا، یہی وجہ ہے کہ علماءِ دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابلِ تنقید وتبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنالیں، بلکہ ان کی آپس کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں رشتۂ ادب کو ہاتھ سے دینا جائز نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید وتبصرہ کے فعل سے امتِ مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حق دار سمجھتے، بلکہ ان کی پاک باطنی اور تقوائے قلب کے منصوص ہو جانے کے بعد دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحدّ خطاء رہ جاتی ہے، معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء وصواب کا تقابل تو ممکن ہے، حق وباطل یا طاعت و معصیت کا تقابل کسی طرح ممکن نہیں، اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زَجر۔ پس ان کے باہمی معاملات میں (جو نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسبِ مسلکِ علماءِ دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے نہ بدزبانی، یہ توجیہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا، **تلک دماء طھر اللہ عنھا أیدینا فلا نلوث بھا ألسنتنا (عمر بن عبدالعزیز)**

اس لیے اس مسلک کے دائرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتِ شان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا)......صحابہ رضی اللہ عنہم اس امت کا افضل ترین، مقدس ترین، تقی القلب اور راضی ومرضی عند اللہ طبقہ ہے، اس لیے وہ بلا استثناء سب کے سب متقن، عدول اور پاک باطن ہیں اور امت کا کوئی بڑے سے بڑا اولی اور اونچے سے اونچا ربانی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ (**بقیہ** صفحہ نمبر 2 پر)

☆......☆......☆......☆

مفتی رب نواز، احمد پور شرقیہ

غیر مقلدین کی طرف سے صحابہ کرام کی گستاخیوں کا اعتراف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کی گئی غیر مقلدین کی گستاخیوں کو بندہ نے اپنے متعدد مضامین میں نقل کیا ہے۔اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ خود غیر مقلد علماء نے اپنے ہم مذہب لوگوں کے گستاخِ صحابہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔اس مضمون میں غیر مقلدین کے گستاخِ صحابہ ہونے پر اُن کی اپنی اعترافی عبارتیں پیش خدمت ہیں۔

صحابہ کرام کو فاسق کہنے کی گستاخی:

غیر مقلدین میں ''امام اہلِ حدیث'' کا لقب پانے والے ایک شخص علامہ وحید الزمان صاحب ہیں۔(سلفی تحقیقی جائزہ صفحہ ۹۴۵ وغیرہ)

وحید الزمان صاحب نے اپنی مزعومہ فقہ نبوی المعروف **نزل الابرار من فقه النبی المختار** :۳/۹۴ پر پانچ صحابہ کرام کو فاسق لکھا ہے۔(معاذ اللہ)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حوالے کا اعتراف کرتے ہوئے وحید الزمان کے متعلق لکھا:

''وہ بعض صحابہ کو فاسق بھی کہتا تھا۔''[توضیح الاحکام:۲/۴۲۹]

فاسق بہت بڑے گناہ گار کو کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق نازیبا کلمات:

جناب عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد نے علامہ وحید الزمان صاحب کی کتاب تیسیر الباری کے متعلق لکھا:

''اس کتاب میں نواب وحید الزمان نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازیبا کلمات درج کئے...نواب صاحب کی سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی...تیسیر الباری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا۔''[اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں:۱۷۷]

صحابہ کرام کے بارے میں ناروا باتیں:

قدوسی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''ہدیۃ المہدی کی تالیف کے دوران ہی علامہ وحید الزمان نے لغات الحدیث کی تدوین وترتیب شروع کر دی تھی اس میں بھی انہوں نے بعض صحابہ کرام کے متعلق ناروا باتیں درج کیں۔''[اہلِ حدیث پر

کچھ مزید کرم فرئیاں:۱۷۸]

صحابہ کرام کی شان میں بے ادبی:

قدوسی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''علامہ وحید الزمان کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے متعلق آرا و خیالات کسی طرح بھی اہلِ حدیث کے لیے طعنہ نہیں بن سکتے...ایسا شخص حضرت معاویہ یا کسی اور صحابی رسول کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو کس طرح اہلِ حدیث کے ساتھ نتھی کیا جاسکتا ہے؟''[کرم فرئیاں:۱۷۷]

صحابہ کرام کی شان میں کی گئی گستاخیوں کا جواب نہیں بن پڑا تو قدوسی صاحب نے وحید الزمان کے اہلِ حدیث ہونے کا انکار کردیا۔حالانکہ وہ اپنے اعتراف اور غیر مقلد علماء کی گواہیوں کے مطابق تارکِ تقلید اہلِ حدیث ہی ہیں۔حوالہ جات کے لیے بندہ کی کتاب ''زبیر کا علی زئی کا تعاقب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہ کے ضمیر پر حملہ:

مولانا داؤد راز غیر مقلد نے بخاری کی شرح میں **باب ذکر معاویہ** کے تحت لکھا ہے:

''حضرت مولانا وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں مگر کوئی انسان بھول چوک سے معصوم نہیں ہے۔صرف انبیاء کی ذات ہے جن کی حفاظت اللہ پاک خود کرتا ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر کے سلسلے میں مولانا مرحوم کے قلم سے ایک نامناسب بیان نکل گیا۔الفاظ یہ ہیں: مترجم کہتا ہے صحابیت کا ادب ہم کو اس سے مانع ہے کہ ہم معاویہ کے بارے میں کچھ کہیں۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی محبت نہ تھی۔مختصرا۔'' دلوں کو جاننے والا صرف باری تعالیٰ ہے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مولانا مرحوم کا یہ لکھنا مناسب نہ تھا۔خود ہی صحابیت کے ادب کا اعتراف بھی ہے اور خود ہی ان کے ضمیر پر حملہ بھی۔''

[شرح بخاری:۱۹۱/۵، دوسرا نسخہ ۱۶۵/۵ طبع دار العلم ممبئی]

راز صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ علامہ وحید الزمان صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ضمیر پر حملہ کیا مگر یہ ان کی بھول چوک ہے۔عرض ہے کیا صحابی کے ضمیر پر حملہ کرنے کو ''بھول چوک'' کہا جاسکتا ہے؟ بھول چوک پر تو مؤاخذہ نہیں ہے **رفعت عن أمتی الخطاء والنسیان** (الحدیث) تو کیا صحابی کے ضمیر پر حملہ کرنے والے سے مؤاخذہ نہیں ہوگا؟

تفسیرِ صحابہ پر لغت کو ترجیح:

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا[ثناء اللہ غیر مقلد(ناقل)]امرتسریؒ...نے تفسیر صحابہ کے بارے میں[موقف(ناقل)]

اختیار کیا تھا کہ صحابی کی تفسیر کے مقابلے میں لُغت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔''

[الاعتصام: اشاعتِ خاص بیادِ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی: ۴۸۶]

صحابی کو سبائی لیڈر کہنا:

غیر مقلدین کے رسالہ ''محدث'' میں مولانا عبدالرحمٰن عزیز کا مضمون شائع ہوا۔اس میں لکھتے ہیں:

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب اپنے حواریوں سے تنگ آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے بیعت کی تو سبائیوں کو نا گوار گزرا۔ان کی برابر کوشش یہی تھی کہ صلح نہ ہونے پائے چنانچہ سبائی لیڈر حجر بن عدی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اسی سلسلہ میں گفتگو کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے ڈانٹا۔'' [محدث ماہ محرم ۱۴۱۹ھ صفحہ: ۱۴]

مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جن ''سبائیوں'' کو یہ مصالحت ناگوار گزری ان کے جس سبائی ''لیڈر'' کا نام حجر بن عدی لیا گیا ہے یہ کون ہے؟ جناب من! یہ ''سبائی لیڈر'' حجر بن عدی صحابی رسول ہیں... ابن اثیر لکھتے ہیں: ''حضرت حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی ہانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے اور فضلائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔''

[مقالاتِ اثری: ۳/۳۴۶]

رضی اللہ عنہ کے لاحقہ سے اعراض:

مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد نے مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھا:

''اس پر ''سبائی لیڈر'' کا الزام اہلِ سنت کی فکر کا آئینہ دار نہیں۔اسی ''جرم'' کی بنا پر مولانا عبد الرحمٰن عزیز نے ان پر ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت بھی مناسب نہیں سمجھی۔'' [مقالاتِ اثری: ۳/۳۴۷]

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''ان کوفی لیڈروں میں حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بن صرد خزاعی معروف صحابی ہیں۔ان کے اسی جرم کی بنا پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے ان کے نام پر بھی ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت مناسب نہیں سمجھی۔''

[مقالاتِ اثری: ۳/۳۴۷]

اثری صاحب آگے لکھتے ہیں:

''انہی خط لکھنے والوں میں ایک جعدۃ بن ہبیرہ بن ابی وہب ہے جیسا کہ محدث میں ہے جب کہ یہ بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں۔جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ زیارت حاصل ہے جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں بیان کیا گیا ہے۔مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے یہاں

بھی رضی اللہ عنہ'' کی علامت مناسب نہیں سمجھی۔'' [مقالاتِ اثری:۳۴۸/۳]

صحابہ کرام پر حرف گیری:

اثری صاحب نے عزیز صاحب کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

'' مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سلف کے موقف سے اہلِ علم واقف ہیں۔سلف نے اس بارے میں گفتگو کی جو ممانعت کی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس سے احترام وتقدس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف آتا ہے اوران کے بارے میں ناروا زبانیں کھل جاتی ہیں۔افسوس کہ مضمون کے مذکورہ مقامات سے اسی کی بو آرہی ہے۔'' [مقالاتِ اثری:۳۴۸/۳)]

ناصبیت کی بو:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں سے بغض رکھنے والوں کو''ناصبی'' کہا جاتا ہے۔اتنا جاننے کے بعد آگے بڑھیے۔

اثری صاحب نے عزیز صاحب کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے جن باتوں کا اعتراف کیا ہے اُن میں سے ایک بات یہ لکھی کہ اُن کے مضمون سے:

''ناصبیت کی بو آتی ہے۔'' [مقالاتِ اثری:۳۴۸/۳]

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد کے ناصبی ہونے کا اعتراف کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''فیض عالم صدیقی ناصبی'' [علمی مقالات:۴۴۷/۶]

حکیم فیض عالم صدیقی بھی اپنے اعتراف اور غیر مقلدین کی گواہیوں کے مطابق تارک تقلید واہلِ حدیث ہیں۔حوالہ جات بندہ نے اپنی کتاب''زبیر علی زئی کا تعاقب'' حاشیہ:۴۸۴/میں درج کردیئے ہیں۔

جمہور صحابہ پر حملے کرنے کی جرأت:

حکیم عبد الرزاق از رنگوں غیر مقلد نے جمعہ کی دوسری اذان کو بدعت کہا تو اس پر مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے یوں تبصرہ کیا:

''عملِ عثمانی کو گمراہی وضلالت کہنا بالکل غلو ہے جو کسی طرح جائز نہیں...جب حضرت عثمانؓ نے یہ اذان کہلوائی تو اس وقت ہزار ہا صحابہ موجود تھے کسی نے اس کو نہیں بدلوایا، نہ عام طور پر مخالفت کی۔پھر جمہور صحابہ پر حملے کرنا کس قدر جرأت ہے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ:۴۳۵/۱]

خلفائے راشدین کی شان میں سوئے ظنی:

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

'' مولانا محترم [عبید اللہ عفیف صاحب (ناقل)] نے خلفائے راشدین کی چند باتوں کا بھی ذکر کیا کہ یہ باتیں سنت کے خلاف ہیں۔'' [مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۵۲]

راشدی صاحب نے عفیف صاحب کے مذکورہ نظریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ان باتوں کو خلفاء راشدین کے سلسلہ میں اس طرح پیش کرنا کہ یہ کام انہوں نے سراسر سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کئے ان بزرگ ہستیوں کے حق میں سوئے ظن کے سوائے اور کچھ نہیں۔''

[مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۵۳]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نا انصافی:

مولانا محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ البانی...افسوس وہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں انصاف نہیں کر سکے۔''

[مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۵۳]

عملِ صحابی کو "بدعت" قرار دینے کی جسارت:

مولانا محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کافی عرصہ پہلے بھی یہ مسئلہ چل نکلا تھا کہ جمعہ کے دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان جو شروع کرائی تھی وہ اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ بعض جواز یا مندوب کے حق میں تھے، بعض اس کو بدعت قرار دے کرنا جائز سمجھتے تھے۔ حال ہی میں مولانا ثناء اللہ مدنی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو''الاعتصام'' میں شائع ہوا ہے ، اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا عبید اللہ عفیف [غیر مقلد (ناقل)] کا مقالہ اسی ''الاعتصام'' میں چار قسطوں میں شائع ہوا، مولانا کی رائے اس کے مطلق جواز کے خلاف ہے۔ ان کے مقالہ سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہے۔'' [مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۴۸]

راشدی صاحب ہی لکھتے ہیں:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ہمارے نزدیک اس [اذانِ ثانی کے عمل (ناقل)] کو اجتہادی غلطی کہنا بھی مسلّم نہیں لیکن ...افسوس یہ بزرگ [عبید اللہ عفیف صاحب (ناقل)] تو اس کو بدعت ہی میں لا کر چھوڑنے پر مُصر ہیں۔'' [مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۵۲]

راشدی صاحب نے عفیف صاحب کے متعلق آگے لکھا:

''پھر اس بغیر سند اثر کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو ذوالنورین خلیفہ راشد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرے نمبر پر افضل خلیفہ تھے کے اس فعل کو دَبے الفاظ میں بدعت قرار دے رہے ہیں۔''

[مقالات راشدیہ:۱/۲۵۵]

صحابہ کرام سے بے پرواہی کا اعتراف:

امام آلِ غیر مقلدیت علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائلِ اجماعی کی بھی پرواہ نہیں، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی۔'' [لغات الحدیث: ۲/۹۱، ش]

آثارِ صحابہ کی تقلید ضروری نہیں !!

علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بعضے اہلِ حدیث بظاہر تو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں مگر حکامِ وقت کی خوشامد سے حق باتوں کا اظہار نہیں کرتے۔ بعضے کیا کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں صحابہ اور سلف صالحین کا طریقہ چھوڑ کر نئے نئے معانی اور مطالب اپنی خواہشِ نفس کے موافق نکالتے ہیں، گویا ترکِ تقلید کے انہوں نے یہ معنی سمجھے ہیں کہ احادیث اور آثارِ صحابہ اور تابعین کی تقلید بھی ضروری نہیں ہے جس طرح چاہو قرآن کی تفسیر کرلو۔''

[لغات الحدیث: ۱/۲۱، د]

صحابی پر بہت ہی گھناؤنا الزام:

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''زبیر علی زئی صاحب کے رسالہ ''الحدیث'' (نمبر ۱۰۳ ص ۱۹) میں... ایک جلیل القدر صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر بہت ہی گھناؤنا الزام لگایا گیا۔'' [حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ۱۶]

☆......☆......☆......☆

صفحہ نمبر کا اڑتالیس (48) **بقیہ**

کمپوزنگ میں سلیقہ شعاری کا لحاظ بالکل نہیں رکھا گیا، اگر ماہر کمپوزر سے کام کروایا جاتا تو یہی مواد جو ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے وہ تین سو صفحات میں آسکتا تھا۔ یوں اخراجات میں بھی کمی آجاتی اور ناظرین سے بھی کم و بیش ڈیڑھ صد صفحات کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ البتہ تصحیح جانفشانی سے کی گئی ہے اور لفظی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ٹائٹل خوبصورت اور بائنڈنگ مضبوط ہے۔ شائقین دیر نہ کریں اور دیئے گئے پتے پر رابطہ کر کے قیمتی کتاب کو اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں۔

افسوس کہ تلاش کے باوجود ہمیں کتاب میں کہیں رابطہ نمبر نظر نہ آیا، اس لیے مؤلف کے ڈاک پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

مدرسہ عربیہ دار العلوم حمادیہ، باگو پھلپوٹو، نزد پیر جو گوٹھ، خیر پور، سندھ

مولانا عبد الجبار سلفی

تبصرہ وتعارف

نام کتاب: خدماتِ علماء سندھ اور جمعیت العلماء　　مؤلف: مولانا محمد رمضان پھلپوٹو

صفحات: چار سو اڑتالیس (۴۴۸)　　ناشر: جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ خطۂ سندھ صدیوں سے دینی، علمی، سیاسی اور جہادی جدوجہد کا مرکز رہا ہے۔ علماء وصوفیہ اور جہابذۂ روزگار شخصیات کے مجاہدانہ ومخلصانہ کردار کے ایسے نقوش سندھ کی دھرتی پر منقش ہیں کہ اہل سندھ کو ان پر فخر وناز بجا ہے۔ فطرت کی جانب سے مسلمانانِ سندھ کے لیے ان بے لوث لوگوں سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بات کس قدر باعث سعادت ہے کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے دو کا تعلق سرزمینِ سندھ سے تھا، ایک اسم گرامی حضرت مولانا قاری محمد فاضل سندھیؒ اور دوسرے کا نام حضرت مخدوم شیخ محمد حیات سندھیؒ تھا۔ اول الذکر کا تذکرہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن ''فتح الرحمٰن'' کے مقدمہ میں بھی کیا ہے۔ آج متحدہ برصغیر میں خدماتِ دین کا جتنا کچھ فیضان ہے، سب کا سب خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں علماء سندھ کی ماضی کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب ہٰذا کو چھ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بابِ اول میں حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے جہادی تحریک میں صوبہ سندھ کی خانقاہوں اور علماء کرام کا کردار قلمبند کیا گیا ہے۔ پیر پگاڑا خاندان، خانقاہ بھرچونڈی شریف، خانقاہ امروٹ شریف، پیر جھنڈا، خانقاہ ہالیجی شریف اور ان تمام سلسلوں کے خانقاہ عالیہ دین پور شریف کے ساتھ روحانی، قلبی اور تحریکی روابط کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اِس باب میں مستند مراجع مصادر کی مدد سے ایسے واقعات بھی جمع کردیئے گئے ہیں جو آج کی نسل نو کے جذبات ایمانی کو مہمیز دینے میں ممد ومعاون ہوسکتے ہیں، مثلاً: ''پیر جھنڈا'' اور ''پیر پگاڑا'' کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ سقوطِ تحریک خلافت کے زمانے میں سندھ سے تعلق رکھنے والا برصغیر کا سب سے پہلا شہید کون تھا؟ ''حر'' تحریک کی بنیاد کن حالات میں رکھی گئی تھی؟ برطانوی سامراج کے خلاف گوریلا تحریکوں کے محرکین اولین کون تھے؟ اور خانقاہوں کے ساتھ ان کے تعلقات ومراسم کس نوعیت کے تھے؟ جب جمعیت علماء ہند کی اساس رکھی گئی تھی تو اس میں اہل سندھ کی کن کن شخصیات کا نمایاں کردار رہا؟ اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے سندھ کی مٹی پر بیٹھ کر کون کون سے منصوبے بنائے تھے؟ ان تمام سوالات کے جوابات اس

میں موجود ہیں۔

دوسرے باب کے اندر علماء سندھ کے' خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے ساتھ مراسم کی تفصیل درج ہے۔ نیز حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے ساتھ پیر پگاڑو کے تعلقات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ آزادی اور جذبۂ جہاد میں اس خاندان کے روشن کردار پر اگرچہ بہت کچھ جمع کر دیا گیا ہے، تاہم اگلی نسلوں کے بگاڑ، دین سے دُوری، برطانوی وسامراجی نظام سے مرعوبیت ومرغوبیت اور اہل حق سے کنارہ کشی کے اسباب وعلل بھی اگر بیان کردیئے جاتے تو بہت اچھا ہوتا، کیونکہ مؤرخ کو ماضی کی روشنی میں ''حال'' کا تجزیہ بھی کرنا چاہیے۔ تاکہ نتیجہ خیز مستقبل دیکھا جاسکے۔

بابِ سوم اور بابِ چہارم میں حضرت شیخ الہند اور ان کی جدوجہد آزادی نیز تحریک ریشمی رومال اور اس میں بعض سندھ کی شخصیات کے حصہ بقدرِ جُثہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اِس باب میں تحریک خلافت، تحریک ترکِ موالات، تحریک سودیشی، تحریک علیحدگی سندھ از ممبئی، تحریک حمایت کسان وغیرہ وغیرہ کا بالاختصار تذکرہ موجود ہے۔

کتاب ہٰذا کے آخری دو ابواب میں گذشتہ تحریکوں کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے ربط وتسلسل پر بحث کی گئی ہے۔ چونکہ مؤلف کتاب جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے اہم ذمہ دار ہیں، اس لیے اس باب کے اندر ان کی جماعتی وابستگی کہیں کہیں انصاف واعتدال پر غالب آ گئی ہے۔ ایک منصف اور مؤرخ کو چاہیے کہ وہ احوال وحقائق پر اپنی طبعی جذباتیت کو مسلط نہ ہونے دے۔ اسے شماتتِ اعداء کہیے کہ ہمارے ہاں ملی وقومی اثاثوں کو اپنی اپنی سوچ تک محدود کر دیا گیا ہے، جس کی بناء پر تاریخ کا طالب علم غلط فہمیوں کے دلدل میں کچھ ایسا پھنستا ہے کہ نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مصنف نے علماء دیوبند کی تمام تر خدمات کا تسلسل فقط ایک جماعت میں مقید کر کے تاریخ کے طلبہ کے فکر وزاویہ کو محدود کر دیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ''مذہب اہل السنۃ والجماعۃ'' کا تسلسل کہلانے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمعیت علماء اسلام اپنی کمزوریوں یا ناچاقیوں کے باوجود استعماری قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہے مگر مسلکِ دیوبند کی خدمات کو کسی ایک جماعت کے بجائے من حیث المکتب عزت دی جائے تو اس میں سبھی کا سر اُونچا رہے گا۔ فلہٰذا ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تحفظ ختم نبوت، تحفظ ناموس صحابہ، تردید بدعات ورسومات اور تحریک دعوت وتبلیغ میں بھی علماء سندھ کی روشن خدمات کے نمونے موجود ہیں۔

بہرحال مجموعی اعتبار سے مصنف کی محنت قابل داد ولائق دید ہے۔ ابتداء کتاب میں قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور چند دیگر حضرات کی تقاریظ بھی موجود ہیں۔ تحریر میں ادب وقواعد کی کافی کمی ہے۔ کاغذ اعلیٰ لگایا گیا ہے۔

(**بقیہ** صفحہ نمبر چھیالیس [46] پر)

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب پر قاتلانہ حملہ....نا قابل فراموش انفرادیت

آج سے تقریباً ۱۴/سال قبل اسی دن عظیم فلسطینی رہنما شیخ احمد یاسین ۲۲/مارچ ۲۰۱۴ء کے دن فجر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے شہید کر دیئے گئے تھے۔

آج اسی تاریخ ۲۰۱۸ء جمعہ کے مبارک دن عالم اسلام کی ہر دلعزیز شخصیت شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم پر جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے جاتے ہوئے قاتلانہ حملہ ہوا جس میں اللہ کے فضل وکرم اور بعد ازاں ان کے ڈرائیور کی حاضر دماغی اور بے جگری کے سبب وہ بحمد اللہ محفوظ رہے۔

ماضی قریب میں عروس البلاد کراچی میں بہت سے ممتاز علماء نماز پڑھانے، درس قرآن دینے، یا حدیث کا سبق پڑھانے یا دیگر دینی خدمات کی انجام دہی کے لیے جاتے یا واپس آتے ہوئے شہید کیے گئے۔

ان کے ہم سفر بھی زخمی یا شہید ہوئے اور پھر جتنی اعلیٰ صبر واستقامت کا ان کے پسماندگان نے مظاہرہ کیا، اتنا ہی جلد قوم نے انہیں بھلا دیا۔

علماء کرام نے تو پہلے دن سے ہی خود کو ملت کے لیے وقف کرنے اور دین کی سربلندی کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا عہد کیا ہوا ہوتا ہے اور سرخ آسمان ہو یا لہو رنگ تپتی زمین، سب شاہد ہیں کہ وہ اس پر ثابت قدم بھی رہتے ہیں۔

جب بھی ان کی ضرورت پڑی، معرکہ صدق ووفا برپا ہوا یا جسد ملت کو خون شہیداں درکار ہوا سب سے پہلے انہوں نے جان وجگر کا نذرانہ راستی کے طشت میں رکھ کر، گلہائے صدق سے سجا کر لبیک کہا، رسم تجدید عہد وفا کو زندہ کیا اور پھر دل دے آئے، جان وار آئے، خون تازہ سے رسم وفا کو سرخ رو کر گئے۔

حضرت شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم نے عمر بھر جس حلم و بردباری کا مظاہرہ کیا، آج بارود کی خونی برسات میں ہر طرف سے لپکتی موت کے شراروں کا سامنا کرتے ہوئے اپنے زخمی ڈرائیور کو خود ڈرائیونگ کی پیشکش کی اور پھر اس قصہ کشت وخون کو برسر منبر مزے لے کر سناتے ہوئے جراءت اور بذلہ سنجی کا ایسا لاجواب مظاہرہ کیا کہ ان کی شخصیت کی جامعیت جاوداں ہو گئی۔ یہ ان کی ایک اور نا قابل فراموش انفرادیت ہے۔

دنیا کو یاد رکھنا چاہیے یہ طبقہ جب تک زندہ ہے حق کا علم بلند رکھے گا اور جب رخصت ہو گا تو علم برداری کا حق ادا کرنے والے لاکھوں جوانمرد عقیدت مند پیچھے چھوڑ جائے گا۔

قافلہ حق یونہی رواں دواں رہے گا اور باطل کے پرستار اس سے الجھ کر دارین میں خود کو رسوا کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان شاء اللہ

☆☆☆☆

ناجائز بنادیں، اور پھر ان سے بچنا مشکل ہو جائے، اسلئے پورے ماہ رمضان المبارک
کے اجتماعی نفلی اعتکاف اور اجتماعی ذکر و درود کی مجالس کے انعقاد کی ہر سال پابندی
سے احتیاطاً اجتناب کرنا چاہئے، ہاں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف
کرنا چاہئے کبھی کبھی پورے ماہ کا اعتکاف بھی کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں، اور
ذکر و درود بھی انفرادی طور پر کرنا چاہئے، کبھی کبھی اجتماعی طور پر بھی کر لیا جائے
تو مضائقہ نہیں، ہمارے اکابرؒ کا یہی طریقہ رہا ہے اور یہی اسلم و احوط ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

عبد الرؤف سکھروی
دار الافتاء - دار العلوم کراچی ۱۴
نائب مفتی دار العلوم کراچی ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

الجواب صحیح
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۵/۱۲/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۰/۱۲/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفی عنہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی
۱۱-۱۲-۱۴۲۱ھ

الجواب ومنہ الصدق والصواب

صورۃ مسئولہ میں اگر چند آدمی ذکر یا درود شریف کیلئے کسی مجلس میں اجتماعی اہتمام کریں۔ اور استفتاء میں ذکر کردہ قیود و شرائط کے مطابق ہو۔ اور اس سے تجاوز نہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور سلف صالحین کا عمل رہا ہے۔

اسی طرح اجتماعی ذکر یا درود شریف میں افضل تو اخفاء ہی ہے جیسا کہ مختصر الفتاوی میں ہے۔

نوٹ: ان امور کی رعایت کرتے ہوئے یہ اجتماع جائز ہے، اور اس میں شرکت درست ہے، رہا یہ کہ جہری ذکر کرنا منقول تھا یا نہیں اسکا مقصد مبتدیوں میں ذکر سے لگاؤ پیدا کرنا ہے، ورنہ اصل اخفاء ذکر تو تنہائی ہی میں کیا جاتا ہے۔ اور جو امور کہ حضرات مشائخ بطور علاج تجویز فرماتے ہیں ان کی حیثیت علاج ہی کی ہوتی ہے، شرعی عبادت کی نہیں ہوتی، اسلئے اس کو بدعت نہیں کہا جاتا — واللہ اعلم

۸/۸/۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت اقدس حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہفتہ عشرہ میں چند آدمی ذکر یا درود شریف کیلئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اس مجلس میں درج ذیل امور کا پابندی سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔

۱:- تعیین یوم مخصوص کا التزام نہیں کیا جاتا بلکہ ایام مخصوصہ میں کرنے اور باقی اوقات میں نہ کرنے کی نفی کی جاتی ہے اور برا سمجھا جاتا ہے۔

۲:- التزام نہ عقیدۃً ہوتا نہ عملاً بلکہ اس مجلس میں ہی التزام کی نفی کی جاتی ہے۔

۳:- التزام کی عملاً نفی ظاہر کرنے کیلئے کبھی چھوڑ بھی دیا جاتا ہے۔ یا کسی غیر مقررہ کردہ وقت کر لیتے ہیں

۴:- دنیاوی مصلحت کیلئے کبھی کسی دن کو مقرر کر دیا جاتا ہے مثلاً مدارس کی تعطیل یا متعلقین کی ذاتی مصروفیات سے فراغت کا دن جیسا کہ ہمارے مدارس کا نصاب اور نظام الاوقات وغیرہ اس مصلحت کو دینی مصلحت نہیں سمجھا جاتا بلکہ دنیاوی مصلحت ہی سمجھا جاتا ہے اور دینی مصلحت سمجھنے کی باقاعدہ تردید کی جاتی ہے۔

۵:- انفرادی عمل کو ترجیح دی جاتی ہے اجتماعی عمل فرض واجب نہیں سمجھا جاتا بلکہ فقط درجہ استحباب میں انفرادی عمل کے سکھانے یا ترغیب دینے کیلئے کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے اکابر مثلاً امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ کے ہاں مجلس ذکر وغیرہ برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے ہاں مجلس ذکر اور مجلس درود شریف اور دارالعلوم دیوبند میں ختم خواجگان وغیرہ التزاماً نہیں بلکہ اہتماماً کیا جاتا رہا ہے ایسی مجلس اور اس میں شرکت کا از روئے قرآن وسنت کیا حکم ہے؟

بینوا وتوجروا

والسلام

عبدالرحمٰن جعفری

الجواب حامداً ومصلیاً

شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مزید تفصیل کیلئے منسلکہ فتوی ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(حاشیہ: شرکت کرنے میں / اور بشرائط)

محمد کمال الدین عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۵/۸/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف عفا اللہ عنہ
۱۶/۸/۱۴۱۵ھ

کو دیکھئے کہ ہر شخص اپنا معمول پورا کرے اور کسی دکان میں دو چار یا اس سے کم و بیش لوگ یکجا بیٹھ کر اپنا اپنا معمول پورا کر لیں شرعاً اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ باقی آپ جو صورت اختیار کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق عرض ہے کہ حضرت اقدس الحاج مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ صاحب احسن الفتاویٰ سے بالمشافہ یا تحریراً معلومات کرکے اختیار کریں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ بلند شہری
دارالعلوم دیوبند ۱۵/۱/۱۴۱۶ھ

